امام ابو حنیفہؒ تا محمد علی جوہرؒ

آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے

www.KitaboSunnat.com

سید نظر زیدی

حرا پبلی کیشنز
اردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

DATA ENTERED

Institute of Islamic Studies - Punjab Univ. Lbr. - LIBRARY
20014
MFN 3285

امام ابو حنیفہؒ تا محمد علی جوہرؒ

آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے

سید نظر زیدی

حرا پبلی کیشنز
اردو بازار۔ لاہور

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ———— آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے

مصنّف ———— سید نظر زیدی

ناشر ———— شفیق الاسلام فاروقی

مطبع ———— میٹرو پرنٹرز

تاریخ اشاعت ———— مارچ ۱۹۹۴ء

تعداد ———— ایک ہزار

کتابت ———— اسرار احمد

قیمت ———— ۴۵ روپے

○ حرا پبلی کیشنز۔ ۲/۱۴ فضل الٰہی مارکیٹ اردو بازار لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Institute of Islamic Studies
20014

فہرست

دیباچہ	۵
امام ابو حنیفہؒ	۷
امام غزالیؒ	۲۹
سعدی شیرازیؒ	۴۷
شاہ رکن الدین ملتانیؒ	۵۰
مُلّا عبد القادر بدایونیؒ	۶۸
مجدد الف ثانیؒ	۸۸
حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	۱۰۱
شاہ ولی اللہؒ	۱۱۱
شاہ اسماعیل شہیدؒ	۱۲۷
محمد قاسم نانوتویؒ	۱۴۶
سر سید احمد خاںؒ	۱۵۶
اکبر الہ آبادیؒ	۱۶۹
محمد علی جوہرؒ	۱۸۴
خواجہ حسن نظامیؒ	۲۰۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرضِ ناشر

سیّد نظر زیدی اس مُلک کے معروف سیرت نگار ہونے کے علاوہ ادیب، شاعر اور افسانہ نویس بھی ہیں۔ چنانچہ اُن کی تصانیف متعدد اداروں نے شائع کی ہیں۔

راقم الحروف کے ایک عرصہ سے ان کے ذاتی مراسم ہیں، لیکن ابھی تک ادارہ ہٰذا کی طرف سے اُن کی کوئی تصنیف شائع نہیں ہوئی ہے۔ زیرِ نظر کتاب جو "آسمان علم کے درخشندہ ستارے" کے عنوان سے شائع کی جا رہی ہے، مَیں تاریخِ اسلام کی تین عظیم شخصیتوں کے علاوہ دیگر تمام شخصیتیں برِصغیر پاک و ہند کی ہیں، لیکن ان میں سے ہر شخصیت اپنی جگہ پر ایک تاریخ ہے اور ان میں سے بیشتر کی سیرت پر بالخصوص امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی عظیم شخصیت پر دُنیا کی کئی زبانوں میں مبسوط تصانیف شائع ہوئی ہیں۔ ادارہ ہٰذا کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی سیرت پر "مجدد الف ثانیؒ کی تحریک احیائے اسلام اور سلاطین مغلیہ" کے عنوان سے ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ایک مجلد ضخیم کتاب شائع کی ہے جو پروفیسر ابصار عالم مرحوم کے قلم سے ہے۔

امید ہے، یہ کتاب علم کے متلاشی بالخصوص یونیورسٹیوں کے شعبۂ تاریخ اسلام کے طلباء کے حلقوں میں ہر لحاظ سے پذیرائی حاصل کرے گی

خاکسار

شفیق الاسلام فاروقی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

of Islamic Studies ... University Libr.
2001/4

دیباچہ

اس موضوع پر چند شخصیتوں کا ایک مجموعہ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا۔ بحمداللہ اب یہ کتاب ان محترم شخصیات کی نسبت سے ترمیم و اضافہ کے ساتھ نئے عنوان سے پیش ہے۔

جیسا کہ عرض کیا میں نے چند اور بزرگ شخصیتوں کے سوانحی خاکوں کا اضافہ کیا ہے، لیکن کتاب ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ دراصل ملتِ اسلامیہ کے نامور فرزندوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کے احوال و کوائف لکھنے کے لیے کسی کتاب کی ایک جلد کیا کئی جلدیں بھی ناکافی ثابت ہوں گی۔ تاہم میرے لیے یہ احساس باعثِ طمانیت ہے کہ ایک مفید اور نیک کام میں مقدور بھر حصہ لیا ہے۔ نیز یہ اطمینان بھی ہے کہ جن محترم بزرگوں کے حالات لکھ سکا وہ بھی بھرپور انداز میں پاکیزگی اور بھلائی کی طرف رہنمائی کریں گے۔

میں سمجھتا ہوں مادہ پرستی کے موجودہ دور میں اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ بزرگانِ ملت کی زندگیوں سے زیادہ سے زیادہ رہنمائی حاصل کی جائے۔ مادہ پرستی نے نسلِ انسانی کو تباہی کے جس غار کے کنارے پہنچا دیا ہے اس سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ معیارِ زندگی بلند کرنے کی رٹ چھوڑ کر معیارِ اخلاق بلند کرنے کی بات کی جائے۔ اور یہ بات صرف اسلام کے اصول پیش کر کے ہی سمجھائی جا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتی ہے، جن کے پرچارک اور جن پر عامل ہمارے یہ بزرگ تھے۔ میں بہت عاجزی سے دُعا کرتا ہوں یہ مقصد میری اس کتاب کے ذریعے کسی نہ کسی حد تک ضرور پُورا ہو۔ (آمین)

سیّد نظر زیدی
۳ر بی وحدت کالونی

۱۹ر جنوری ۱۹۹۳ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے کروڑوں مسلمان حنفی کہلاتے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے نہایت اہم دینی خدمات انجام دیں اور آپ کی شخصیت یگانہ روزگار تھی۔ ایسی اہمیتوں کے بغیر تاریخ کے صفحات پر ایسے گہرے نقش ثبت نہیں ہوتے۔

بلاشبہ ملت اسلامیہ اس لحاظ سے ممتاز و منفرد رہی ہے کہ کسی زمانے اور کسی دور میں بھی اس کے کارواں بے میر کارواں نہیں رہے۔ تسلسل اور تواتر کے ساتھ عظیم شخصیتیں منظر عام پر آتی رہیں اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے پیدا ہونے والی خرابیوں کی اصلاح کی کوششوں میں مصروف رہیں، لیکن ان میں کچھ عظیم تر حضرات ایسے بھی ہیں جو مجتہد کے درجۂ بلند پہ فائز نظر آتے ہیں اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ ان میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

آپ نے اسلامی تاریخ کے ایک ایسے نازک دور میں اصلاح و تبلیغ کا فریضہ نہایت کامیابی سے انجام دیا جب مخالفین اسلام کے گروہ بہت ہی منظم اور بہت ہی طاقتور ہو گئے تھے اور ایوانِ حکومت سے لے کر مدرسوں اور خانقاہوں تک تہ در تہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی خرابیاں پھیل گئی تھیں کہ دین کی اصل غایت اور اصل روح تک رسائی آسان نہ رہی تھی۔ ایسے تاریک حالات میں حضرت امام نے کامل دینی فراست، بے مثال شجاعت اور ایثار و بے نفسی سے ہر محاذ پر تخریبی قوتوں کا مقابلہ کیا اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

فتنوں کا آغاز :

خلفائے راشدین کے دور کے فوراً بعد جس فتنے نے سب سے پہلے سر اُبھارا وہ خلافت کا نسلی بادشاہت میں تبدیل ہو جانا تھا۔ حضرت امیر معاویہ اور ان کے جانشینوں نے یقیناً بہت سے ایسے کام کیے جن سے مسلمانوں کے دبدبے اور شوکت میں اضافہ ہوا، لیکن اس سچائی سے کسی طرح بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ اختیاراتِ حکومت کو خانوادہ بنو امیّہ کے دامن میں سمیٹ لینے کے غلط فیصلے نے دینِ اسلام کے حقیقی مقاصد کو ایسا شدید نقصان پہنچایا کہ پھر کسی طرح بھی اس نقصان کی تلافی نہ ہو سکی۔ مختصر الفاظ میں ہم اس بات کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں اقوام و ملل کے دل فتح کرنے کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ صرف مُلک فتح کرنے میں تبدیل ہو گیا ان مسلمان بادشاہوں نے جو کافی عرصے تک خود کو خلیفۃ المسلمین کہلاتے رہے علاقے تو بہت فتح کیے۔ ان کے ادوار میں مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا، لیکن دلوں کی تسخیر کا مقدس عمل رُک گیا، بلکہ اس سے بھی بڑی برائی یہ پیدا ہوئی کہ اسلام نے شعوب و قبائل کی جن جاہلی عصبیتوں کو مٹا کر کثیر تعداد میں لوگوں کو ایک صالح ملت بنا دیا تھا انہیں پھر سے تعصبات اور نفرت کے جہنم میں دھکیلنے کا عمل شروع ہو گیا اور بزرگوں سے ورثے میں ملی ہوئی وہ مقدس تلواریں جنہوں نے ظلم و طغیان اور کفر و شرک کی شریانوں سے فاسد خون خارج کیا تھا اپنے بھائیوں کے خونِ ناحق میں نہانے لگیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض حضرات نظمِ حکومت کی اس تبدیلی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، یہاں تک کہ یزید تک کو امیر المومنین ثابت کرنے پر ضد کرتے ہیں، لیکن سچائی یہ ہے کہ آگے چل کر ملتِ اسلامیہ کے مزاج میں جس قدر بگاڑ بھی پیدا ہوئے وہ اسی خبیث فتنے کے بطن سے ہوئے۔ یہ بات پورے پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر ہوس ملک گیری پر دین کی محبت غالب رہتی اور یہ فتنہ عظیم پیدا نہ ہوتا تو اسلام کا نور ماسکو کی دیواروں، سنکیانگ کی حدود اور وسطی فرانس کے شہر توار تک پہنچ کر پسپائی پر مجبور نہ ہو جاتا، بلکہ اس کی کرنیں زمین کے آخری کناروں تک پہنچتیں اور انسانی نسل آج بھی سب سے زیادہ اسی کے انوار سے فیض یاب ہوتی، لیکن ان خاندانی بادشاہوں نے خود ملتِ اسلامیہ کو اس طرح مبتلائے عذاب کر دیا کہ خاص اپنے گھروں میں سکھ کی نیند سونا آسان نہ رہا۔

طلوعِ اسلام کے صدیوں بعد ان طالع آزما بادشاہوں نے تہذیب و تمدن کی ترقی اور ادب و آرٹ کے فروغ کے نام پر کیسے کیسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا۔ وہ تو ایک الگ داستان ہے۔ بنو اُمیّہ کے حکمرانوں نے ہی جن کا زمانہ خلافتِ راشدہ کے دور سے بالکل ملا ہوا ہے، اسلامی تمدن اور سیاست میں ایسی خرابیاں پیدا کر دی تھیں کہ نسلی امنگوں اور تمناؤں کے پھیلاؤ کے اعتبار سے ان میں اور روم کے قیصروں اور ایران کے کسراؤں میں بس برائے نام ہی فرق رہ گیا تھا۔

ان حضرات نے اسلام کا سادہ تمدن ترک کر کے عظیم الشان محلات تعمیر کرائے۔

زرق برق لباس زیب تن کرنے کو حکمران کی اہم ضرورت قرار دیا۔

لونڈیوں اور غلاموں کے بڑے بڑے گروہ اپنی خدمت پر مامور کر دیے۔

بیت المال کو جو ملت کی امانت تھا باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر، سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لیے لٹانا شروع کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آزادیٔ رائے پر اس طرح پابندی لگا دی کہ اگر کوئی ذی حیثیت شخص بھی بولنے کی جرأت کرتا تو صرف ان کی تعریف کرنے کے لیے زبان کو حرکت دے سکتا تھا۔ بصورتِ دیگر اس کے لب سی دیے جاتے تھے۔

عدلیہ کی آزادی کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ قاضی صرف اسی وقت تک اپنے عہدوں پر برقرار رہ سکتے تھے جب تک وہ بادشاہ اور اس کے قرب رکھنے والے لوگوں کی منشا کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے تھے۔

اپنے خاندان کو برسرِ اقتدار رکھنے کے لیے انہوں نے اموی اور غیر اموی کے فرق کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ خاص طور پر بنی ہاشم سے تو بدترین دشمنوں جیسا سلوک روا رکھا۔

زبان دراز اور بے احتیاط لوگوں کو دین کے مسلّمہ اصولوں پر کھلے عام بحث کرنے کی اجازت دی اور ایسی فضا پیدا کر دی کہ مخالفین اسلام اللہ اور اس کے رسولِ برحق صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پر بھی تنقید کرنے کی جرأت کرنے لگے۔ یوحنا یہودی ہشام کے دربار میں اس کے سامنے اسلام کا مضحکہ اڑاتا تھا۔

یہ لوگ کس قدر خود سر اور دینِ متین کی حقیقی روح سے کیسے نا آشنا ہو گئے تھے اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعے سے ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں ابن الاثیر کے حوالے سے لکھا ہے: "عبدالملک بن مروان نے ۷۵ھ میں جب مدینہ گیا تو منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا "میں اس اُمت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا۔ اب اگر کسی نے مجھے اتق اللہ کہا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔"

واضح رہے یہ گل افشانی" اس مقدس شہر کے باشندوں کے سامنے اور اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منبر پر کھڑے ہو کر کی گئی جسے اخلاق مجسم، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گہری نسبت حاصل تھی اور جس پر کھڑے ہو کر خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ اعلان فرما چکے تھے کہ تم پر میری اطاعت صرف اس صورت میں فرض ہو گی کہ میں حق اور انصاف کے مطابق کوئی حکم دے رہا ہوں اور جس پر کھڑے ہو کر خلیفۂ دوم حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ اعتراض نہایت تحمل سے سُنا تھا کہ تمہارا اتنا لمبا کُرتہ ایک چادر میں کس طرح بن گیا؟

یہ نمایاں فرق اس لیے واقع ہوا کہ پہلے بزرگ اللہ اور اُس کے رسولِ برحق کے حکم کے مطابق حکمرانی کو عوام کی خدمت اور عبدالملک اپنے بے لگام نفس کی ترغیب سے خود کو لوگوں کی گردنوں کا مالک خیال کرتا تھا۔ یقیناً حکومت کے تصوّر میں یہ بہت بڑا فرق تھا اور خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد جب یہ فرق عملی طور پر رونما ہوا تو نہ صرف سیاسی بلکہ تمدنی اور اقتصادی زندگی کے بھی تمام شعبوں پر اس کا گہرا اثر پڑا:

لوگوں کے دلوں سے حکمرانوں کا احترام اٹھ گیا۔

بڑوں کی بے عملی کے باعث مذہبی اصولوں سے اعتقاد کمزور پڑ گیا۔

حکمرانوں کی طرح پوری قوم دُنیا کی ہوس میں مبتلا ہو گئی اور اس ہوس کے نتیجے میں پوری قومی زندگی میں فساد پھیلتا چلا گیا۔

ذہنی اور نفسیاتی افراتفری کے اس دور میں ملّتِ اسلامیہ کو سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ شر پسندوں نے دین پر بحث و تکرار شروع کر دی، مسلّمہ اصولوں کی من مانی تاویلیں کرنے لگے اور بہت سے نئے فرقے پیدا ہو گئے جو آگے چل کر سلطنتوں کی توڑ پھوڑ اور مسلمانوں کے زوال کا باعث بنے۔

ان فرقوں میں بظاہر شیعوں اور خارجیوں کا ظہور خلافت راشدہ کے زمانے ہی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو چکا تھا، لیکن دراصل یہ بھی خلافت اور ملوکیت کی اسی کشمکش کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے جو بنو اُمیہ کی ہوسِ اقتدار کے باعث پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں فتنوں کی کاشت کرتی رہی۔

خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شورش اٹھی اور جو بالآخر آپ کی شہادت کا باعث بن گئی۔ اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں، لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس بات کو اس حد تک بڑھانے کی ذمہ دار مروان بن الحکم کی ذات تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمام مسلمانوں کا سربراہ تسلیم کرانے سے زیادہ خاندانِ بنی اُمیہ کے نمائندے ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس طرح خوارج کا ظہور جنگِ صفین کے موقعے پر اس وقت ہوا جب حضرت امیر معاویہ نے خلافت کو اپنا حق سمجھ کر ہر قیمت پر حضرت علیؓ کو معزول کرنا چاہا۔

دیگر نومولود فرقوں معتزلہ، المرجیئہ، جبریہ، قدریہ اور شیعوں کے فرقے الزیدیہ، امامیہ اور الکیسانیہ وغیرہ تو واضح طور پر بنو اُمیہ کے دورِ حکومت ہی میں پیدا ہوئے اور ان کے معرضِ وجود میں آنے اور پھلنے پھولنے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ان حکمرانوں نے دین کی سربلندی کی جگہ اقتدار کی بقاء کی جدوجہد کو وقت کا سب سے اہم مسئلہ بنا دیا تھا۔

باصلاحیت اور دردمند مصلح:

ملت پریشان خیالی اور بدعملی کی اس دلدل میں پھنسی ہوئی تھی جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اصلاحِ احوال کے لیے مصروفِ جہاد ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ اصلاح کی یہ کوشش نئی نہ تھی۔ آپ سے پہلے حضرت امام مالکؒ اور بہت سے ذی حیثیت دینی رہنما یہ فرض انجام دیتے آ رہے تھے، لیکن اس سلسلہ میں آپ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انفرادیت یہ ہے کہ ایک تو بگاڑ کے تمام گوشوں کی طرف توجہ دی۔ دوسرے ان کوششوں کو بڑی حد تک کامیابی سے ہمکنار کیا اور یہ بات اس لیے ممکن ہوسکی کہ اللہ پاک نے اپنی خاص مہربانی سے آپ کی ذات میں ایسی بہت سی خوبیاں جمع کر دی تھیں جن میں سے کوئی ایک خصوصیت بھی اس کے حامل کو بڑے لوگوں کی صف میں لا بٹھاتی ہے۔

سب سے پہلی خوبی یہ کہ آپ نے بہت توجہ اور لگن سے مروجہ علوم حاصل کیے تھے۔ دوسرے آپ بے مثل ذہانت اور قوتِ حافظہ کے مالک تھے، تیسرے آپ نے اعلیٰ درجے کی ندرت بیانی پائی تھی۔ چوتھے مال اور شکل وصورت کے اعتبار سے شخصی وجاہت رکھتے تھے اور سب سے اہم خوبی یہ کہ اپنے دین سے سچا عشق اور اپنی ملت سے حقیقی انس رکھنے والے تھے، چنانچہ ان خداداد صلاحیتوں کے باعث ہی یہ بات ممکن ہوسکی کہ آپ نے ہر محاذ پر شاندار کامیابیاں حاصل کیں اور اپنی زندگی میں ہی ایسی فضا پیدا کر دی کہ اسلام کا کوئی باغی پہلے سے عزم کے ساتھ اپنا جھنڈا بلند رکھنے کے قابل نہ رہا۔

حضرت امام کی ان بہترین کوششوں سے پوری طرح آگاہی حاصل کرنے کے لیے ہم انہیں دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) وہ مساعی جو حکمرانوں کی اصلاح اور نظمِ حکومت کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانے کے لیے کیں۔

(۲) وہ جدوجہد جو دشمنانِ اسلام کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دور کرنے اور لوگوں کے عقائد و اعمال کو قرآن وسنت کے مطابق رکھنے کے لیے زندگی کے آخری سانس تک کرتے رہے۔

اس دور کے مسلمانوں میں عقیدے کا بگاڑ دو اطراف سے پیدا ہو رہا تھا۔ ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن سبا جیسے منافقوں کی گہری سازش سے جو نہایت ہوشیاری سے من گھڑت باتیں پھیلا رہے تھے اور اس سلسلے میں اس قدر دلیر تھے کہ اسلام کے مزاج کے سراسر خلاف باتوں کو قال قال رسول اللہ کہہ کر شائع کر دیتے تھے۔ دوسرے ان گم کردہ راہ لوگوں کی وجہ سے جو یونانی فلسفے سے متاثر ہو گئے تھے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات اقدس تک کو بہت بے باکی سے زیرِ بحث لاتے تھے۔

اگرچہ ان لوگوں کا استدلال کچھ اسی نوعیت کا تھا کہ چونکہ بھینس بھی کالی ہوتی ہے اور کوا بھی کالا ہوتا ہے، لہٰذا دونوں کو ایک جنس سمجھنا چاہیے، لیکن چونکہ یہ لوگ علم کلام کی خوبیوں میں کامل اور منطق و فلسفہ کی اصطلاحوں سے لیس تھے، اس لیے عام مسلمان بحث مباحثے میں ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے، ان کے خیالات کا اثر حکمرانوں کے درباروں تک پہنچ رہا تھا۔ فرقۂ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا ایسا زبان آور شخص تھا کہ فصاحت و بلاغت اور قوتِ استدلال سے بڑے بڑے عالموں کو لاجواب بلکہ بدحواس کر دیتا تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے متکلمین کے اس گروہ کا طلسم توڑا اور اپنی بے مثال ذہانت، حاضر جوابی اور تبحرِ علمی سے انہیں اس طرح لاجواب کیا کہ وہ پھر کم از کم اصولِ دین کے سلسلے میں لب کشا ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ مذکورہ خداداد اہلیتوں کے علاوہ یہ شاندار کامیابی آپ کو اس لیے بھی حاصل ہوئی کہ آپ کا نقطۂ نظر ہر معاملے میں نہایت معتدل، منصفانہ اور قرآن و سنت کے عین مطابق تھا۔

آپ کے زمانے میں بصرہ متکلمین کا اہم مرکز تھا۔ اپنی علمی زندگی کے ابتدائی ایام میں آپ کی ایک خاص دلچسپی بصرہ جا کر ان لوگوں سے بحث مباحثہ کرنا تھا۔ آپ کے سوانح نگاروں نے ان مباحثوں کے بہت دلچسپ حالات لکھے ہیں۔ یہ لوگ ایمان و عقائد کے بارے میں عجیب عجیب سوال اٹھاتے تھے، مقصد یہ ہوتا تھا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدِ مقابل لاجواب ہو تو عام لوگوں کے ایمان متزلزل ہو جائیں۔

مؤرخ محمد ابوزہرہ مصری کا بیان ہے: ایک بار جہم بن صفوان نامی ایک معتزلی حضرت امام صاحب سے مناظرہ کرنے آیا اور سوال کیا: "ایک شخص دل سے یہ بات مانتا ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر، وہ خدا کی تمام صفات کو مانتا ہے، اس کی یکتائی کا قائل ہے، لیکن ان باتوں کا زبان سے اقرار نہیں کر پاتا کہ اس کا انتقال ہو جاتا ہے، بتائیے وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے؟"

حضرت امام نے جواب دیا: "ایسا شخص کافر اور جہنمی ہے۔"

ابنِ صفوان نے کہا: "جب وہ اللہ پاک کی صفات کا اعتراف کرتا ہے تو مومن کیوں نہیں؟"

حضرت امام نے فرمایا "قرآن اور حدیث کی رُو سے وہ شخص کافر قرار پاتا ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی کے ایماندار ہونے کے لیے یہ بات لازمی قرار دی ہے کہ وہ قلب سے تصدیق کرنے کے علاوہ زبان سے اقرار بھی کرے۔" یہ فرما کر قرآن اور احادیث کے بہت سے حوالے بیان فرما دیے! چنانچہ جہم یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ آپ نے میرے دل میں شک پیدا کر دیا ہے۔ میں پھر آؤں گا۔

اس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جہم کے سوال کا جواب اعلیٰ درجے کی ذہانت کے ساتھ قرآن اور حدیث کا کامل علم ہونے کی صورت میں ہی ممکن تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنی ان خداداد صلاحیتوں سے عقلی موشگافیاں کرنے والے ان لوگوں کو ہر میدان میں ہر مقابلے میں پسپا کیا اور یُوں تفکر فی القرآن و سُنہ پر لوگوں کا ایمان پختہ ہو گیا اور یہ خطرہ ٹل گیا کہ ایوان حکومت پر قابض ہو کر یہ گروہ پُوری اُمتِ مُسلمہ ہی کو گمراہ کر دے گا۔

فقہ کی تدوین:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینی خدمات کے سلسلے میں آپ کا ایک بہت ہی اہم کارنامہ فقہ کی تدوین ہے۔

اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے جانے اور مختلف نسلوں اور الگ الگ رسوم ورواج رکھنے والے لوگوں کے اسلامی برادری میں شامل ہونے کے باعث نئے مسائل کا پیدا ہونا ایک فطری بات تھی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ اپنی قدیم روایات اور رسوم ورواج کے اعتبار سے آپس میں گہری مشابہت رکھتے تھے۔ پھر ان کی تمدنی زندگی بہت ہی سادہ تھی، اس لیے ان کے اختلافی مسائل بھی کچھ زیادہ نہ تھے، لیکن جب مسلمانوں کی تعداد لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں تک پہنچی اور روم وایران کے علاوہ اسپین اور سندھ تک کے علاقے ان کی سلطنت کی حدود میں آ گئے تو اسی مناسبت سے نئے مسائل بھی پیدا ہوئے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جن متنازعہ باتوں کا فیصلہ مرتّب صورت میں پہلے سے موجود نہیں ان کے متعلق کوئی طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔

ایک گروہ نے اس مشکل کا حل یہ تجویز کیا کہ غور وفکر کے بعد جو بات قرینِ انصاف معلوم ہو اُسے اختیار کر لیا جائے۔ اس گروہ کے اصحاب کو اہل الرائے کہا گیا۔ دوسرے گروہ نے صرف کتاب وسُنّت کی پیروی کو ضروری قرار دیا۔

پہلا مسلک، نئے مسائل کا یہ ایک حل تو ضرور تھا، لیکن اسے ہی مستقل مسلک قرار دینے میں بہت سے خطرات پنہاں تھے، خصوصیت سے یہ بات کہ ہر شخص کے علم اور عقل کا معیار الگ ہوتا ہے۔ رہ گئی دوسری صورت، یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور خلفائے راشدین کے فیصلوں کے مطابق نئے معاملات کا فیصلہ کیا جائے تو یہ بھی ممکن نہ تھا۔

ایسی حالت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایک نہایت عمدہ اور قابلِ عمل مسلک اختیار فرمایا اور اس کے مطابق فقہ حنفی کو مدوّن کیا۔ اس سلسلے میں آپ کے اپنے الفاظ ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مجھے جب کوئی حکم خدا کی کتاب میں مل جاتا ہے تو اس کو تھام لیتا ہوں اور جب اس میں نہیں ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ کے اُن صحیح آثار کو لیتا ہوں جو ثقہ لوگوں کے ہاں ثقہ لوگوں کے واسطے سے معروف ہیں۔ پھر جب نہ کتاب اللہ میں حکم ملتا ہے نہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، تو میں اصحابِ رسولؐ کے قول (یعنی ان کے اجماع) کی پیروی کرتا ہوں اور ان کے اختلاف کی صورت میں جس صحابی کا قول چاہتا ہوں قبول کر لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، مگر ان سب کے قول سے باہر جا کر کسی کا قول نہیں لیتا۔۔۔۔۔ رہے دوسرے لوگ، تو جس طرح اجتہاد کا انہیں حق ہے مجھے بھی ہے۔"

(خلافت وملوکیت، بحوالہ خطیب البغدادی)

مسائل کا منصفانہ اور شریعت کے مطابق مناسب حل تلاش کرنے کے لیے اس بہترین طریقے کے علاوہ ایک اور بہت ہی قابلِ تعریف کام آپ نے یہ کیا کہ اپنے ایسے شاگردوں میں سے جن کی رائے اور علم پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا چالیس رکنی ایک مجلسِ شوریٰ قائم کی۔ جب بھی کوئی مشکل مسئلہ سامنے آتا تھا، اس مجلس کا ہر رکن آزادانہ رائے دیتا تھا۔ اختلاف کی صورت میں بحث ہوتی تھی اور پھر وہ فیصلہ قبول کر لیا جاتا تھا جو سب سے زیادہ منصفانہ ہوتا تھا اور جس پر اکثریت اتفاق کرتی تھی۔

بہ الفاظ دیگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ تھا کہ نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے اجتہاد اور غور و فکر ضروری تو ہے، لیکن ایسی تمام کوششیں کتاب و سنت کی روشنی میں ہی کی جا سکتی ہیں، کسی شخصِ واحد کی رائے پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ محمد ابوزہرہ مصری کا بیان ہے، امام صاحب کی مجلسِ شوریٰ میں بعض اوقات تین تین دن بحث کی جاتی تھی تب ایک مسئلے کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

مستند روایات کے مطابق ایسی محنت، توجہ اور کامل غور و خوض کے بعد آپ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی زندگی میں ۸۳ ہزار فقہی مسائل کا جواب لکھایا۔ پانچ سو سے زیادہ ایسے شاگرد تیار کیے جو دینی اور دنیاوی اہم شعبوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیے جا سکتے تھے اور یُوں وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کر دی۔

اگرچہ اس کا دعویٰ نہیں کیا گیا اور اب فقہ حنفی اپنا خاص تشخص رکھتی ہے، لیکن حضرت امام صاحب کے زمانے کے حالات پر غور کیا جائے تو صاف اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے فقہی اصول مدون فرماتے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ یہ اصول وضوابط پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے قابلِ قبول بن جائیں۔ یہ گمان یوں ہوتا ہے کہ آپ کے مسلک میں حد درجہ اعتدال اور نرم روی ہے۔ اسلام کے صحیح مزاج کے مطابق آپ دُنیا اور دین دونوں کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں اور بشری کمزوریوں اور جائز انسانی امنگوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ اگر آپ کے پیرو آگے چل کر تشدد کا راستہ اختیار نہ کر لیتے اور خود کو ایک الگ فرقہ کہہ کر ہی عافیت محسوس نہ کرتے تو اس بات کا امکان تھا کہ یہی فقہ پوری اُمّت کے لیے مرکزِ اتحاد ہوتی، بہرحال یہ صورت تو اب بھی ہے کہ مُسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آپ کی پیروی کرتی ہے۔

سیاسی خدمات:

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی میں ایک سیاسی رہنما کی حیثیت کبھی اختیار نہیں فرمائی، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک سچائی ہے کہ آپ اپنی ملت کے سیاسی معاملات سے کسی وقت بے تعلق بھی نہیں رہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے، اس زمانے میں خلافت کا ملوکیت میں بدل جانا ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک ہولناک فتنہ تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کے ۵۲ سال اموی دور میں اور ۱۸ سال عباسیوں کے زمانے میں بسر کیے اور یُوں اس فتنۂ عظیم کو اس تمام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حشر سلاطینوں کے ساتھ دیکھا۔

امویوں نے تو حکومت حاصل ہی دنیاوی کرّوفر کے لیے کی تھی، لیکن بالآخر عباسی بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ان بادشاہوں نے جو خود کو بہت اہتمام سے خلیفۃ المسلمین کہتے تھے دنیاوی نقطۂ نظر سے بہت کامیابیاں حاصل کیں، اپنی سلطنت کی حدود کو وسیع بھی کیا اور غیر مُسلم حکومتوں کو باجگذار بھی بنایا، لیکن دین کو ہمیشہ زیرِ فرمان رکھنے پر بضد رہے اور یقیناً یہ بات ایسی نہ تھی کہ حضرت امام صاحب جیسی حیثیت اور فہم و فراست کا مسلمان اس رویے کو گوارا کر لیتا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ان حکمرانوں اور ان کے گماشتوں سے زندگی کے کسی دور میں بھی تعاون نہیں کیا۔ سراپا احتجاج بنے رہے اور ان تمام کوششوں میں عملی طور پر شریک ہوتے جو اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کے لیے کی گئیں۔

حضرت زید بن علیؒ کی معاونت:

حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد امویوں کی حکومت کو بظاہر استحکام حاصل ہو گیا تھا، لیکن ان کے خلاف علویوں کی خفیہ تحریک زور و شور سے جاری رہی۔ تاریخی طور پر اس بات کی تو کوئی شہادت نہیں ملتی کہ حضرت امام اس تحریک سے باقاعدہ وابستہ رہے، البتہ اس تحریک سے آپ کی گہری ہمدردی مسلّمہ ہے۔ آپ کے سوانح نگاروں اور مؤرخین نے یہ بات وضاحت سے لکھی ہے کہ ۱۲۲ھ میں حضرت زید بن علی امام زین العابدین نے اموی حکومت کے خلاف تلوار اٹھائی تو آپ نے باقاعدہ فتویٰ جاری کر کے ان کی آ   کوشش کو جہاد قرار دیا اور مالی طور پر انہیں معتدل مدد بھی دی۔ آپ کے فتوے کے الفاظ تھے:

"زیدؒ کا خروج بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خروج کی طرح ہے" امام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوحنیفہ عہدِ جنگ)

اس فتوے کے الفاظ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اموی حکومت سے نہ صرف بیزار تھے، بلکہ اسے بدل دینے کے شدت سے خواہشمند تھے اور سچ یہ ہے کہ آپ کی یہ نفرت محض اس وجہ سے نہ تھی کہ آپ کے اجداد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عقیدت مند رہے تھے، بلکہ اس نفرت کے ٹھوس دینی اسباب تھے۔ اموی خانوادے کے دورِ حکومت پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے ایسی بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں، جن سے ان کے نہایت شدت سے ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ انھوں نے دین کی حرمت اور مسلمانوں کے حقوق کو بُری طرح پامال کر ڈالا تھا۔ مثال کے طور پر:

کربلا کے میدان میں نواسہ رسولؐ کو شہید کرا دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شکست دینے کے لیے کعبہ پر سنگ باری کرائی۔

یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ المری کو بھیج کر مدینۃ الرسولؐ میں مسلمانوں کا قتلِ عام کرایا۔ یزید کے وحشی فوجی تین دن تک اس مقدس شہر کو لوٹتے اور خواتین کو بے حرمت کرتے رہے۔ ابنِ کثیر کی روایت کے مطابق ان تین دنوں میں ایک ہزار خواتین زنا سے حاملہ ہوئیں۔

ان حکمرانوں نے محض اختلافِ رائے کی بنا پر جلیل القدر صحابہ کو قتل کرایا۔

اسلام کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے دشمنوں کی لاشوں کو بھی مسخ نہ کیا جائے مخالفوں کے سر کاٹ کر ان کی نمائش کرنے کے رواج کو زندہ کیا۔

مالی فوائد حاصل کرنے کے لیے نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا۔ جواز یہ پیدا کیا گیا کہ یہ لوگ جزیہ ادا کرنے سے بچنے کے لیے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر تبرہ بھیجنے کا طریقہ اپنایا اور یوں ایک مکروہ بات کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا ڈالی۔

مسرفانہ بلکہ عیاشانہ زندگی کو اس طرح اپنا لیا کہ جسموں اور رہائش گاہوں کو سجانا ہی ایک طرح مقصدِ حیات بن گیا۔

اپنے درباروں میں کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کو مقرر کیا۔

شعائرِ اسلام کی توہین کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔

غرضیکہ اس دورِ حکومت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مختصر زمانے کو نکال کر حکمرانوں کا رویّہ بالعموم ایسا رہا کہ اسلام کی سادگی، سچائی اور پاکیزگی کے نقوش مٹتے چلے گئے اور اس بات نے سب سے زیادہ اہمیت حاصل کر لی کہ خواہ دُم بریدہ گدھا ہی تختِ حکومت پر بیٹھا ہو اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے۔

ظاہر ہے ایسے حالات میں حضرت امام اعظم جیسی فہم و فراست اور دینی حمیت کا شخص حالات سے بے پرواہ کر زندگی نہ گزار سکتا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی غلط کار حکمرانوں سے سمجھوتہ نہ کیا۔

بیان کیا گیا ہے امویوں کے آخری دور میں عراق کے گورنر یزید بن عمرو بن ہبیرہ نے خلیفہ کے اشارے پر آپ کو مجبور کیا کہ آپ عُہدہ قضا یا مہتمم خزانہ کا منصب سنبھال لیں، لیکن آپ نے صاف انکار فرما دیا۔ کہا "اس حکومت کا کوئی عُہدہ قبول کرنا تو بڑی بات ہے، میں تو اس شخص کے کہنے سے مسجد کے دروازے گننے کے لیے بھی تیار نہیں ہو سکتا۔"

گورنر نے مشتعل ہو کر آپ کو گرفتار کر لیا اور حکم دیا جب تک سرکاری عہدہ قبول نہ کریں دس کوڑے روزانہ مارے جائیں۔ آپ کئی دن یہ سخت سزا برداشت کرتے رہے، آخر جلاد کی کوشش سے رہائی کی صورت پیدا ہوئی اور آپ ہجرت کر کے کوفہ سے مکہ معظمہ چلے گئے اور ابوجعفر منصور کے زمانے ۱۳۰ھ میں اس وقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے جب اموی حکومت کے تمام نشانات مٹ چکے تھے۔

عباسیوں کے عہد میں آپ کا رویّہ:

بنواُمیّہ کے خلاف جو انقلابی تحریک اٹھی تھی وہ اس یقین کے باعث کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی کہ اس حکومت کے خاتمے کے بعد ایسے لوگوں کو اقتدار ملے گا جو نظامِ سلطنت کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلائیں گے، لیکن ہر کہ درکانِ نمک رفت، نمک شد والی بات ہوئی۔ حالات سے فائدہ اٹھا کر بنی عباس حکمران بنے تو رفتہ رفتہ انہوں نے بھی بنواُمیّہ کے حکمرانوں کا چال چلن اختیار کر لیا، بلکہ دنیاوی شان و شوکت اور عیش و نشاط کے دلدادہ ہونے کے معاملے میں تو وہ اپنے پیش روؤں سے بھی کچھ آگے ہی بڑھ گئے اور جب حالات نے یہ رُخ اختیار کیا تو حضرت امام صاحب نے اس نئی حکومت کے ساتھ بھی اسی طرح بیزاری اور عدم تعاون کا مظاہرہ کیا جس طرح بنواُمیّہ کے زمانے میں کر چکے تھے۔

ابو جعفر منصور کو اس بات کا احساس ہوا تو اسے یہ بات ضروری معلوم ہوئی کہ آپ کو حکومت سے وابستہ ہونے کی ترغیب دے اور اس نے بھی اس بات پر بہت ضد کی کہ آپ قاضی کا عہدہ قبول کر لیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ منصور نے قسم کھائی کہ اگر آپ نے عہدہ قبول نہ کیا تو سخت سزا دوں گا اور آپ نے حسبِ توقع انکار کیا تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور بعض روایات کے مطابق زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔

ان واقعات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ نے اپنے زمانے کے سیاسی حالات سے الگ تھلگ رہ کر گوشہ نشینی کی زندگی بسر نہیں کی، بلکہ ایک بالغ نظر اور فعال رہنما کی طرح سیاسی معاملات کی اصلاح کے لیے کوشاں رہے، یہاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک کہ اس کوشش میں اپنی زندگی قربان کر دی۔

خاندانی اور ذاتی حالات :

حضرت امام کے خاندانی حالات کے سلسلے میں زیادہ معتبر روایت یہ تھی کہ آپ کے اجداد ایران کے علاقے انبار میں رہائش رکھتے تھے اور اس علاقے کے خوشحال زمیندار، یعنی مرزبان تھے۔ مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو آپ کے دادا صاحب عرب آئے اور مستقل طور پر کوفہ میں آباد ہو گئے۔

مولانا شبلی نعمانی نے اپنی مشہور کتاب سیرتِ نعمان میں شجرۂ نسب یوں درج فرمایا ہے :

نعمان (امام ابو حنیفہ) بن ثابت بن کاؤس بن ہرمزان بن بہرام بن زوطی۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے نعمان نام رکھا، لیکن یہ نام بچپن اور جوانی کی عمر تک ہی زبانوں پر آیا۔ آپ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی تو ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کے والد صاحب ایک خاص قسم کے کپڑے خز کی تجارت کرتے تھے۔ ان کا ارادہ آپ کو بھی ایک تاجر بنانے ہی کا تھا اور انہوں نے اس کام میں ڈال بھی دیا تھا، لیکن اللہ پاک نے تو آپ کو ایک بلند دینی منصب کے لیے چنا تھا۔ یہ تقریب اس طرح پیدا ہوئی کہ اتفاق سے ایک دن کوفہ کے مشہور عالم امام شعبیؒ نے راہ چلتے آپ کو دیکھا اور بشرے سے سعادت مندی اور ذہانت کا اندازہ کر کے دریافت کیا۔ "کیا پڑھتے ہو؟"

اس زمانے میں کوفہ علم کا گہوارہ تھا۔ امام شعبی کے علاوہ کئی اور نامور عالموں کی درسگاہیں طالبانِ علم کو سیراب کر رہی تھیں۔ امام صاحب کا خیال ہو گا یہ طالع من۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر امام صاحب نے تاکید کی علم حاصل کرو! اور یہ نصیحت کچھ ایسی آپ کو دل لگی کہ اس دن سے امام صاحب کی درسگاہ سے وابستہ ہو گئے۔

اس سے پہلے قرآن مجید حفظ کر چکے تھے اور مروجہ علوم کی کچھ ابتدائی کتب بھی پڑھی تھیں، لیکن اب اعلیٰ دینی تعلیم کا آغاز ہوا اور آپ بہت جلد اس درسگاہ کے ممتاز طالب علم مان لیے گئے۔

امام شعبی کے بعد امام حماد بن ابی سلیمان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور علم الکلام، صرف و نحو، شعبۂ ادب، قرآت، حدیث اور فقہ میں اعلیٰ قابلیت حاصل کرلی۔ ان علوم میں فقہ پر خاص طور سے توجہ دی۔ اس حلقۂ درس میں آپ ۱۸ سال مسلسل شامل رہے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے استاد کی جگہ مسندِ درس پر تشریف فرما ہوتے۔

امام شعبی اور امام حماد کے علاوہ ان بزرگانِ اُمت سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا:

امام مالکؒ، امام زید بن علیؒ، امام زین العابدینؒ، امام محمد الباقرؒ، امام جعفر صادقؒ، امام اوزاعیؒ، امام عطاؒ بن رباح، ابو عبدالرحمٰن حسن، جابر بن یزید جعفیؒ۔

معاشی جدوجہد:

اگرچہ علمی اور دینی اعتبار سے حضرت امام کو ایک بلند منصب حاصل ہو گیا تھا، لیکن درس و تدریس کا فریضہ آپ نے صرف ثواب حاصل کرنے کے لیے اختیار کیے رکھا۔ معاشی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے آپ کا شغل تجارت تھا۔ اپنے والد کی طرح آپ بھی خز نامی کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اپنی خداداد صلاحیتوں، بالخصوص دیانت داری کی وجہ سے اس کام کو اس قدر ترقی دی تھی کہ یہ کپڑا آپ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے کارخانے میں تیار ہوتا تھا اور کوفہ کے علاوہ کئی اور شہروں میں آپ کی تجارتی کوٹھیاں قائم تھیں۔ آپ اپنے زمانے کے مرفع الحال تاجر تھے اور بہت عزت اور آسائش سے زندگی بسر کرتے تھے۔ معاشرے میں آپ کو ایسی عزت اور وقار حاصل تھا کہ لوگ اپنی قیمتی چیزیں اور خطیر رقمیں بطور امانت آپ کے پاس رکھا کرتے تھے۔

آپ کی تجارتی دیانت کے بارے میں بہت سی حکایتیں مشہور ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک بار آپ نے کپڑے کا ایک ایسا تھان دیکھا جس میں بنائی کا کچھ نقص رہ گیا تھا۔ اس بات سے آگاہ ہو کر اپنے کارندے کو تاکید فرمائی کہ اگر کوئی گاہک یہ تھان پسند کرے تو اسے اس نقص سے ضرور آگاہ کر دینا۔ اتفاق سے کارندہ یہ بات بھول گیا اور وہ تھان بھی پوری قیمت پر فروخت کر دیا۔ آپ کو اس بات کا علم ہوا تو اس دن کی ساری آمدنی خیرات کر دی۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ضرورت مند اپنی کوئی چیز کم قیمت پر فروخت کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ ان کی مجبوری سے کبھی فائدہ نہ اٹھاتے تھے۔ بالکل ٹھیک قیمت ادا کر کے چیز حاصل کرتے تھے۔ اگر کوئی اپنی چیز کی صحیح قیمت سے واقف نہ ہوتا تھا تو اسے فوراً آگاہ کر کے پوری قیمت دیتے تھے۔

سخاوت اور شرافت:

سخاوت آپ کا وصفِ خاص تھا۔ آپ کے شاگردوں میں بہت سے ایسے تھے جن کے جملہ اخراجات اپنی گرہ سے پورے کرتے تھے۔ حد درجہ شریف الطبع اور مروت کرنے والے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی زندگی کا ایک بہت عجیب واقعہ بیان کیا گیا ہے:

ایک دن آپ اپنے کچھ شاگردوں کو ساتھ لیے بازار سے گزر رہے تھے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلتے چلتے ایک دم ایک گلی میں مڑ گئے اور کچھ دیر وہاں ٹھہر کر پھر اپنی منزل کی طرف چلنے لگے۔

شاگردوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ حضرت نے ایکا ایکی گلی میں مڑ جانے اور وہاں کچھ دیر کھڑے رہنے کی ضرورت کیوں محسوس کی! آخر ایک شاگرد سے رہا نہ گیا اور اس نے پوچھ ہی لیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟

سوال سُن کر فرمایا: "بات یہ تھی کہ سامنے سے ایک ایسے صاحب آ رہے تھے کہ جنہوں نے کچھ دن پہلے قرض کے طور پر ہم سے کچھ رقم لی تھی۔ کسی مجبوری کے باعث وہ وعدے کے مطابق رقم لوٹانے سے معذور رہے۔ ہمیں خیال آیا کہ آمنا سامنا ہوگا تو وہ ضرور شرمندہ ہوں گے، چنانچہ اس وجہ سے ہم گلی میں مڑ گئے اور اس وقت تک وہاں ٹھہرے رہے جب تک وہ گزر نہ گئے"

اہم دینی خدمت:

آپ کا رجحان تصنیف و تالیف کی طرف نہ تھا اس لیے کوئی اہم کتاب یادگار نہیں چھوڑی، لیکن قابل شاگردوں کی ایک بڑی جماعت آپ کی ایسی یادگار ہے جس سے قیامت تک آپ کا نام روشن رہے گا اور ان کی پھیلائی ہوئی نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی ملتا رہے گا۔

آپ تیس سال مسلسل درس و تدریس میں مشغول رہے اور اس عرصے میں اپنے شاگردوں میں سے کم و بیش پانچ سو کو ایسے بلند علمی مرتبے پر پہنچایا کہ وہ بنی عباس کے دورِ حکومت میں مختلف علاقوں کے قاضی مقرر ہوتے۔ اس کے علاوہ سات آٹھ سو شاگردوں نے دینی درسگاہیں قائم کر کے لوگوں کو فیض پہنچایا۔

طریقِ درس یہ تھا کہ کوئی سوال پڑھ کر سُنایا جاتا تھا۔ اہل شاگرد باری باری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر اظہار خیال کرتے تھے اور پھر اخیر میں آپ یہ بتاتے تھے کہ صحیح جواب کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے اس طرح ۸۳ ہزار اہم فقہی مسائل قرآن و سنت کی روشنی میں طے کیے۔

حضرت کا حلیہ:

بیان کیا گیا ہے آپ بھاری بھرکم اور بہت وجیہہ تھے۔ آپ کی شخصیت میں ایسی کشش تھی کہ ہر شخص آپ کی طرف مائل ہو جاتا تھا۔ لباس بہت عمدہ زیب تن فرماتے تھے، یہاں تک کہ جوتوں کے تسمے بھی خاصے قیمتی ہوتے تھے۔ یہی معیار رہائش اور خوراک کا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ اس بات پر پوری طرح عمل کرتے تھے کہ اگر اللہ پاک نے کوئی نعمت عطا فرمائی ہو تو اس کا اثر انسان کے چہرے پر ظاہر ہونا چاہیے۔

اعترافِ عظمت:

آپ کے معاصرین اور بزرگوں نے آپ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ان سے بھی آپ کے دینی مرتبے اور علم و فضل کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

امام مالکؒ: اگر وہ (امام ابو حنیفہؒ) اپنے قیاس سے مسجد کے ان ستونوں کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہیں تو تم یقین کر لوگے کہ وہ لکڑی کے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک: امام ابو حنیفہؒ تو علم کا مغز ہیں مغز۔

امام اعمشؒ: امام ابو حنیفہؒ بہت بڑے فقیہہ ہیں۔

ابن جریجؒ: فقیہہ تو وہی ہے، فقیہہ تو وہی ہے!

ملیمہ بن وکیعؒ: بخدا ابو حنیفہؒ عظیم الامانت اور بلند حوصلہ شخص تھے۔

جعفر بن ربیع: میں نے اُن سے زیادہ کسی کو خاموش طبع نہیں پایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضیل بن عیاض : وہ ورع اور تقویٰ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

حضرت کا وصال :

آپ کے سن وفات میں معمولی سا اختلاف ہے، لیکن اس بات پر اتفاق کیا گیا ہے کہ آپ کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ قاضی مقرر کرنے کی ضد کے سلسلے میں ابوجعفر منصور کے حکم سے آپ کو کوفہ سے بغداد لایا گیا تھا۔ یہاں کچھ عرصہ آپ حکومت کے تشدد کا نشانہ بنے۔ بعض روایات کے مطابق کوڑوں کی سزا بھی دی گئی، لیکن پھر اس شرط کے ساتھ آزاد کر دیا گیا کہ آپ علمی مشاغل سے کنارہ کش رہیں۔ بیان کیا جاتا ہے قید کے دوران میں آپ کو ایک ایسا زہر دے دیا گیا تھا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے، چنانچہ اس سے آپ کا رشتۂ حیات منقطع ہوا اور ۱۵۰ھ میں مالکِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

نماز جنازہ میں پچاس ہزار سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔ خود ابوجعفر منصور نے بھی جنازے کی نماز پڑھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت امام غزالیؒ

مُسلمانوں کو شروع زمانے سے علم سے لگاؤ رہا ہے۔ اسلامی علوم کو ترقی دینے کے علاوہ عباسی خاندان کی حکومت کے زمانے میں مسلمان عالموں نے یونانی فلسفیوں کی کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔ یہ ایک خاص علمی خدمت تھی، لیکن چونکہ یہ فلسفہ اسلام کے اصولوں سے مختلف تھا، اس لیے ایک بڑی خرابی یہ ظاہر ہوئی کہ بہت سے پڑھے لکھے مسلمانوں نے اسلام کی سچی اور سادہ باتوں کو چھوڑ کر اس فلسفے کو اپنا لیا اور بغداد کے علمی حلقوں میں نہایت فضول قسم کی بحثیں شروع ہوگئیں۔ مثلاً خدا کیا ہے، رُوح کیا ہے، ہم دُنیا میں اپنی مرضی اور پسند سے کام کرتے ہیں یا خدا کے احکام کے تابع ہیں؛ وغیرہ۔ یہ ایک ایسی بُرائی تھی کہ اگر اُسے دُور نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کے سوچنے کا انداز بدل جاتا اور ایسا ہونے سے یہ ملّت اُن برکتوں سے محروم ہوجاتی جو اسلام کی وجہ سے اسے حاصل ہوئی تھیں۔

حضرت امام غزالی نے اس فلسفے کو غیر اہم ثابت کرنے کی خدمت انجام دی۔ آپ نے اسلام کے اصولوں کو ایسی قابلیت سے پیش کیا کہ یونانی فلسفے کا بڑھتا ہوا اثر رُک گیا اور یہ ملّت پھر اپنی اصل منزل کی طرف لوٹ آئی۔ اس خدمت کی وجہ سے امام صاحب کو بہت بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی کتابیں آج بھی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندانی حالات :

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد تھا۔ چار پشتوں تک شجرہ نسب یہ ہے۔ محمد بن محمد بن محمد بن احمد۔ آپ ایران کی ایک بستی طوس میں پیدا ہوئے۔ سن پیدائش ۴۵۰ھ بیان کیا گیا ہے۔ ابتدائی تعلیم طوس ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے عراق آ گئے۔ اس زمانے میں عراق اور شام پر خاندان سلجوقی کا مشہور بادشاہ الپ ارسلان حکمران تھا۔ اس بادشاہ کا وزیر نظام الملک طوسی بے حد علم دوست تھا۔ اس نے مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی قائم کی تھی جس میں بہت سے طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان طالب علموں کے کھانے، رہائش اور کتابوں وغیرہ کا سارا خرچ حکومت ادا کرتی تھی۔ امام صاحب نے اسی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔

ایک خاص واقعہ :

جس وقت امام صاحب عراق کی طرف آرہے تھے، سفر کے دوران میں ایک خاص واقعہ پیش آیا۔ ان کا قافلہ ایک ویرانے میں پہنچا تو اچانک ڈاکوؤں کے ایک بہت بڑے گروہ نے حملہ کر دیا اور قافلے والوں کا سارا سامان لوٹ کر لے گئے۔

امام صاحب کے پاس مال و دولت تو کچھ نہ تھا، لیکن ایک ایسی چیز ضرور تھی جسے وہ بہت زیادہ قیمتی خیال کرتے تھے۔ یہ ایک قلمی کتاب تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے ایک قابل استاد کی تقریریں اپنے قلم سے لکھی تھیں۔ ڈاکو یہ کتاب بھی چھین کر لے گئے۔ امام صاحب اس قلمی کتاب کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اس کے چھن جانے سے آپ بہت رنج ہوا اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کتاب واپس کرنے کے لیے کہا۔ یہ شخص تھا تو ڈاکوؤں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا سردار لیکن بہت سمجھ دار تھا، امام صاحب کی بات سُن کر بولا "بھلا یہ بھی کوئی علم ہے کہ اگر کاغذ کے چند پُرزے چھین لیے جائیں تو تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہے"۔

امام صاحب کو ڈاکو سردار کی یہ بات بہت معقول معلوم ہوئی۔ آپ نے اسی دن سے اس کتاب کو زبانی یاد کرنا شروع کر دیا اور معمولی سے عرصے میں پوری کتاب حفظ کر لی۔

اس چھوٹے سے واقعے سے امام صاحب کے علمی شوق اور حافظے کی قوت کا اندازہ ہو جاتا ہے، اپنی ان اچھائیوں کی مدد سے آپ نے بہت جلد کمال حاصل کر لیا اور چھوٹی عمر ہی میں اس وقت کے بڑے عالموں میں گنے جانے لگے۔

وزارت:

شاہ الپ ارسلان نے آپ کی قابلیت کا شہرہ سُنا تو اپنا وزیر مقرر کر لیا اور خوب عزت کی۔ یہ عہدہ معمولی نہ تھا، کوئی اور ہوتا تو اسی پر قناعت کر لیتا اور خوب عیش و آرام سے زندگی بسر کرتا۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ پاک عقل کا نُور دیتا ہے اور جو صحیح معنوں میں بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ دنیاوی عزت اور عیش و آرام کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیتے، بلکہ ان کاموں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو انہیں سب سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ امام صاحب کو علم سے بے حد محبت تھی۔ اس لیے آپ نے اس کی طرف توجہ دی اور کچھ عرصہ وزارت کے منصب پر کام کرنے کے بعد مدرسہ نظامیہ میں استاد مقرر ہو گئے اور اپنی ساری توجہ علم پھیلانے کے مبارک کام میں لگا دی۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۳۴ سال تھی۔

عظیم مسلمان فلسفی:

درس و تدریس کے ساتھ امام صاحب نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے یہ کام صرف شوق پورا کرنے اور اپنا نام چمکانے کے لیے نہیں کیا، بلکہ اسلام کی ترقی اور دُنیا میں بھلائی پھیلانے کا اونچا مقصد سامنے رکھا۔

اس زمانے میں اسلامی مُلکوں میں وہ بہت بڑا فتنہ پھیل رہا تھا جس کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ یہ فتنہ اسلام کے نام پر غیر اسلامی باتوں کو پھیلانا اور ان پر لمبی لمبی بحثیں کرنا تھا۔ یہ خرابی خاص طور سے یونانی فلسفے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ فلسفہ اس علم کو کہتے ہیں جس کی مدد سے چیزوں کی اصلیت اور فائدہ، نقصان معلوم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ علم بے حد مفید ہے۔ ایک زمانے میں یونانیوں نے اس علم کو بہت ترقی دی تھی۔ بقراط، سقراط، جالینوس، فیثاغورث اور ارسطو وغیرہ اونچے درجے کے یونانی حکیموں نے اس علم کی اچھی اچھی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ان میں سقراط اور کئی دوسرے عالم ایسے بھی تھے جو خدا کو ماننے والے تھے، لیکن زیادہ تعداد ایسے عالموں کی تھی جو خدا کے وجود کے قائل نہ تھے۔ یہ عالم عقل کو دُنیا کی سب سے بڑی طاقت خیال کرتے تھے اور ہر بات کو عقل کی مدد سے سمجھنا چاہتے تھے۔

اس کے مقابلے میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ اصل اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور دُنیا کا سارا نظام اسی کی منشا کے مطابق چل رہا ہے۔ ہمیں چاہیے صرف ان باتوں میں عقل پر بھروسہ کریں جن پر بھروسہ کرنے کا اللہ پاک نے حُکم دیا ہے۔

مسلمان عالموں نے یونانی فلسفے کی کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے کیے اور یہ فلسفہ عام لوگوں تک پہنچا تو انھوں نے اسلام کی سچی اور آسان باتوں کی جگہ ایسے مسئلوں پر بحثیں کرنی شروع کر دیں جن کا نتیجہ بُرائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہماری مذہبی زبان میں اس گروہ کو متکلمین کی جماعت کہتے ہیں۔

حضرت امام غزالی نے اس برائی کو محسوس کیا تو علمی انداز میں متکلمین کی پھیلائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی باتوں کا جواب لکھا اور اللہ پاک نے آپ کی زبان اور قلم میں ایسا اثر دیا کہ یونانی فلسفے کا طلسم ٹوٹ گیا اور لوگ پھر اپنے سچے مذہب دین اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں، ان میں احیاء العلوم کا درجہ بہت بلند ہے۔ یہ کتاب آج بھی اسی طرح عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے جس طرح امام صاحب کے زمانے میں۔ اور اونچے درجے کے اسلامی مدرسوں میں اب بھی پڑھائی جاتی ہے۔

عمل اور قول میں مطابقت :

عام انسانی سیرت کا ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔ صحیح معنوں میں کامیابی اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جس کے قول اور عمل میں مطابقت ہو، یعنی جو ان باتوں پر خود بھی عمل کرتا ہو جنہیں دوسروں کے سامنے پیش کرے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے حالات پر غور کریں تو ہمیں یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ آپ کے قول اور عمل میں پوری پوری مطابقت تھی۔ اور باتوں کے علاوہ اس کا ایک بڑا ثبوت آپ کی زندگی کے ایک خاص واقعے سے ملتا ہے۔

جس زمانے میں آپ مدرسہ نظامیہ میں اعلیٰ عہدے پر کام کر رہے تھے اور شاہی دربار میں بھی آپ کو ہر طرح کی عزت حاصل تھی۔ آپ کے ذہن پر اس خیال نے غلبہ پا لیا کہ دنیاوی عیش و عشرت میں گھر جانے والا انسان نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسا شخص خدا کو بھول جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ سارے کام چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کریں۔

یہ بات اس حد تک تو بالکل ٹھیک ہے کہ جو لوگ عیش و عشرت میں ڈوب جاتے ہیں اور حق اور ناحق کے فرق کو نظر میں نہیں رکھتے وہ اللہ پاک کی رحمت سے محروم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس بُرائی سے بچنے کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں کہ دنیا داری کے سارے کام چھوڑ ہی دیے جائیں ——————— ہمارے مقدس دین اسلام نے اس برائی سے بچنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنے لگیں، یہ سوچ لیں کہ ایسا کرنے سے ہمارا خدا خوش ہوگا یا ناراض! جو باتیں بُری معلوم ہوں ان سے ہاتھ روک لیں اور جو کام اچھے نظر آئیں انہیں تکلیف اٹھا کر بھی کریں۔ گویا دُنیا کے کاموں کو چھوڑ نہ دیں بلکہ ان میں پاکیزگی اور اچھائی پیدا کریں، لیکن وقتی طور پر امام صاحب نے پہلی بات کو ٹھیک جان لیا اور چونکہ آپ کے خیال اور عمل میں پوری پوری مطابقت تھی اس لیے آرام و اطمینان کے سارے سامان چھوڑ کر اور اپنے اونچے عُہدے سے استعفیٰ دے کر دمشق چلے گئے۔ آپ کے عقیدت مندوں اور دوستوں نے بہت چاہا کہ یہ خیال چھوڑ دیں، لیکن آپ نے کسی کا مشورہ قبول نہ کیا اور خلوت گزیں ہو گئے۔

دمشق جا کر آپ اس شہر کی مشہور مسجد جامع اموی کے ایک مینار میں بیٹھ گئے اور تقریباً دو سال دنیا سے الگ تھلگ رہ کر اللہ پاک کی عبادت کرتے رہے۔

اللہ پاک نے سیدھا راستہ دکھایا:

جو لوگ کسی کام کو پوری نیک نیتی کے ساتھ کرتے ہیں، اللہ پاک ان کی غلطیاں معاف فرما دیتا ہے اور ان کی لغزشوں کے بدلے بھی ثواب ملتا ہے۔

امام صاحب نے اگر دنیا کو ترک کیا تھا تو اس میں خدانخواستہ آپ کی ضد یا بدنیتی نہ تھی، بلکہ یہ سمجھ کر دُنیا سے کنارہ کش ہوئے تھے کہ اس انداز سے زندگی گزاروں گا تو میرا خدا مجھ سے خوش ہوگا۔ چنانچہ اس نیک نیتی کا یہ انعام ملا کہ رفتہ رفتہ ایسے خیالات آپ کے ذہن سے مٹ گئے اور آپ پہلے سے بھی زیادہ سچے اور پُرجوش مبلّغِ اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن کر لوٹے۔

دنیا ترک کر دینے اور کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے کو مذہبی زبان میں رہبانیت کہتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ عیسائی مذہب کی بگڑی ہوئی صورت ہے جب اس مذہب کے ماننے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم کو بھول گئے تو ان کے اندر ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا جو دنیا سے الگ ہو کر عبادت کرتے رہنے کو نجات کا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ ایسے لوگوں کو راہب کہا جاتا ہے۔

عیسائی راہبوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی ایک ایسا ہی فرقہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ لوگ صوفی کہلاتے تھے اور ان کے مسلک یا عقیدوں کو تصوّف کہا جاتا تھا۔ حضرت امام صاحب کے ذہن پر دراصل اسی فرقے کے خیالات کا اثر ہوا تھا۔ اور اس بارے میں ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ تبدیلی بھی اللہ پاک کی کسی مصلحت کے مطابق ہی ہوئی تھی۔ ایسا ہونے کا بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آپ اس عقیدے کی ساری خامیوں سے واقف ہو گئے اور یونانی فلسفے کی برائیاں ظاہر کرنے کے علاوہ آپ نے اس غلط قسم کے تصوّف کی برائیوں کو بھی کھول کر بیان کیا اور آپ کی ان عمدہ تحریروں سے بہت سے مسلمانوں کے عقیدے درست ہو گئے۔

حج اور دینی خدمات:

جامع اموی کے مینار سے اٹھنے کے بعد آپ نے ۴۹۹ھ میں حج کا فرض ادا کیا اور اس مبارک سفر سے آ کر پھر مدرسۂ نظامیہ میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زندگی کے اس دور میں آپ کی ذات سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ اب آپ کی حیثیت اس کھرے سونے کی ہو گئی تھی جو مختلف بھٹیوں میں تپ کر ہر قسم کے میل کچیل سے پاک ہو چکا ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت کے مطابق آپ کے درس میں تین سو مدرس اور ایک سو کے قریب اونچے درجے کے امیر حاضر ہوتے تھے۔ تقریباً ایک ہزار شاگردوں نے آپ سے دین اور فلسفے کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ تصنیف و تالیف کی مشغولیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اگر آپ کی کتابوں اور پوری عمر کا حساب کیا جائے تو ۱۶ صفحے روزانہ کی اوسط بیٹھتی ہے۔

وفات :

یہ مفید بلکہ مفید تر خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ سنِ ولادت اور تاریخِ وفات کا حساب جوڑیں تو آپ کی عمر صرف ۵۵ سال بنتی ہے۔ زندگی کی یہ فرصت بہت کم ہے، لیکن اس کم مدت ہی میں آپ ایسے مفید کام کر گئے کہ رہتی دُنیا تک آپ کا نام روشن رہے گا۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی حالت کا خیال کرتے ہوئے ہمارے قومی شاعر علامہ اقبالؒ نے اپنی مشہور نظم جوابِ شکوہ میں لکھا ہے ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اس شعر کے دوسرے مصرع سے حضرت امام صاحب کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے اس محترم بزرگ کی زندگی سے یہ سبق سیکھیں کہ جب تک پورے شوق سے علم حاصل نہ کریں کسی قسم کا کمال حاصل نہیں کر سکتے اور کمال حاصل کرنے کے بعد جب تک پورے پورے دیانتدار، ایماندار اور لوگوں کا بھلا چاہنے والے نہ بن جائیں اس کمال سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اے خدا تو ہم سب کو زیادہ سے زیادہ اچھا بننے کی توفیق دے۔ ہماری ذات سے دُنیا میں بھلائی پھیلے اور تیرا سچا دین سب پر غالب آ جائے !!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعدی شیرازیؒ

اللہ پاک نے قرآن شریف کی سورہ العلق میں فرمایا ہے :

" پڑھ اور تیرا رب کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا "

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ جو علم ہر قسم کی ترقی کا سبب ہے اور جس کی وجہ سے انسان کو دیگر مخلوق پر فضیلت دی گئی اس کی اصل قلم ہے۔ قلم اگرچہ دیکھنے میں ایک چھوٹا سا آلہ ہے، لیکن اثر اور طاقت میں اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی چیز نہیں کرسکتی۔ اس نے نئی سلطنتیں بنائی ہیں۔ پرانی سلطنتوں میں بڑے بڑے انقلاب پیدا کیے ہیں اور بھلائی پھیلانے کے لیے پاکیزہ خیالات پھیلاتا رہا ہے۔

دنیا کے جن خوش قسمت لوگوں نے قلم سے یہ اچھا کام لیا ہے ان میں ایران کے رہنے والے شاعر حضرت شیخ سعدی شیرازی کا رتبہ بہت اونچا ہے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابوں گلستان اور بوستان کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام بڑی زبانوں میں ان کے ترجمے ہوچکے ہیں اور بہت سے ملکوں میں یہ کتابیں کالجوں اور اسکولوں کے کورس میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سعدیؒ کے سینکڑوں شعر ضرب الامثال کا درجہ حاصل کرچکے ہیں۔ ایسی مقبولیت کم شاعروں کو حاصل ہوئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان اور بچپن کے حالات :

حضرت سعدی کا پورا نام شرف الدین مصلح الدین سعدی شیرازی ہے۔ مصلح الدین ان کا لقب ہے اور سعدی تخلص، تخلص اس نام کو کہتے ہیں جو شاعر اپنی پسند سے اختیار کر لیتے ہیں۔

سعدیؒ کے بزرگ عرب کے رہنے والے تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ مکّہ شریف سے اور دوسری روایت کے مطابق یمن سے شیراز آئے تھے۔ نسب کے لحاظ سے وہ فاطمی سید تھے۔ ہمارے مُلک میں شیخ ایک بہت بڑی برادری کا نام ہے، لیکن عربی زبان میں مرد بزرگ کو شیخ کہتے ہیں اور سعدیؒ کے نام کے ساتھ یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

شیخ کے والد صاحب کا نام عبداللہ اور والدہ صاحبہ کا نام فاطمہ تھا۔ یہ دونوں ہی عالم فاضل اور پرہیزگار یعنی نیکی کے راستے پر چلنے والے تھے۔ ان کا گھر طاؤس نام کے ایک قصبے میں تھا۔ شیخ ۱۱۷۲ء میں یہیں پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی کے حالات جمع کرنے والے عالموں نے لکھا ہے، سعدی کی پیدائش سے کچھ دن پہلے ان کے والد نے خواب میں دیکھا۔ ایک بزرگ ان کے گھر آئے اور بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری سُنا کر تاکید کی۔ اس بچے کی تعلیم و تربیت پوری پوری توجہ سے کرنا، کیونکہ یہ بہت بڑا درجہ حاصل کرنے والا ہوگا۔

چنانچہ اس بشارت کے مطابق انہوں نے سعدی کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی، بالکل چھوٹی عمر سے نماز، روزے کی پابندی کرائی اور بزرگوں کے طور طریقے سکھائے لیکن افسوس وہ زیادہ دن زندہ نہ رہے۔

والد کے انتقال کے بعد سعدیؒ کی والدہ نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود نبھائی اور انہیں اپنے بھائی علّامہ قطب الدین کے پاس بھیج دیا۔ یہاں سعدی نے ایک نامور عالم حضرت مصلح الدین سے تعلیم حاصل کی اور صرف گیارہ سال کی عمر میں قرآن شریف کے حافظ ہو گئے۔

سعدیؒ بہت ذہین اور اچھی عادتوں کے مالک تھے، یہ دولت انہیں اس وجہ سے ملی تھی کہ وہ اپنے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کا پُورا پُورا احترام کرتے تھے اور ان کی ہدایات کے مطابق زندگی گذارتے تھے۔

ذہانت کے بارے میں یہ بات خاص طور سے سمجھنے کے قابل ہے کہ اللہ پاک یہ خوبی ہر بچے کو دیتا ہے، بہت ہوا انیس بیس کا فرق ہو گیا۔ اگر فرق پڑتا ہے تو بچوں کی عادتوں کی وجہ سے۔ اس کی ایک اچھی مثال آئینے کی ہے۔ اگر کوئی شخص صاف شفاف آئینے کی حفاظت نہ کرے تو وہ بہت جلد گرد و غبار اور داغوں سے بھر جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں چہرہ نظر نہیں آتا، لیکن اگر کوئی میلا آئینہ لے کر اسے صاف کرے، دھوئے اور پھر پوری طرح احتیاط کرتا رہے تو نئے اور چمکدار آئینے کی طرح کام دینے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح جو بچے کھلنڈرے، پیٹو اور نافرمان یعنی بڑوں کا حکم نہ ماننے والے بن جاتے ہیں اور پڑھنے لکھنے کو ایک قسم کی سزا خیال کرتے ہیں اُن کے ذہن کا آئینہ دُھندلا ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ تو ایک فالتو بات تھی۔ ہم بتا رہے تھے کہ سعدی بے حد ذہین اور محنتی طالب علم تھے۔ اس سلسلے میں ایک شاندار واقعہ بیان کیا جاتا ہے:

جس زمانے میں سعدیؒ پیدا ہوئے اس علاقے کا حاکم ابوبکر سعد بن زنگی تھا۔ سعدیؒ کے ماموں اس کے دربار میں جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ سعدی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ ابوبکر نے اس ذہین بچے کو دیکھا تو محبت سے اپنے پاس بلایا اور پُوچھا برخوردار! تمہاری عمر کیا ہے؟

کوئی اور بچہ ہوتا تو شاید گھبرا جاتا۔ کہنا کچھ چاہتا، زبان سے کچھ نکلتا۔ یا ٹھیک جواب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی دیتا تو سادہ طریقے سے بتا دیتا میری عمر اتنے سال ہے، لیکن سعدیؒ نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا۔ انہوں نے نہایت میٹھی آواز میں جواب دیا "حضور کی سلطنت سے بارہ سال چھوٹا ہوں" حساب کے مطابق یہی سعدی کی ٹھیک عمر تھی۔ جواب دینے کے اس انداز سے ابوبکر بہت خوش ہوا اور ان کے حال پر خاص شفقت کرنے لگا۔ کہتے ہیں سعدی نے اسی کے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص سعدی رکھا۔

بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں :

علامہ مصلح الدین کے علاوہ سعدی نے شیراز میں چند اور عالموں سے بھی تعلیم حاصل کی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ان کی والدہ صاحبہ زندہ رہیں قضائے الٰہی سے ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے بغداد جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس زمانے میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے بغداد میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی قائم تھی۔ جو طلباء یہاں تعلیم حاصل کرتے تھے ان کی کتابوں، خوراک اور لباس وغیرہ کا سارا خرچ حکومت اٹھاتی تھی۔ یہ یونیورسٹی ایک نیک دل وزیر نظام الملک طوسی نے ۴۸۹ھ میں قائم کی تھی اور انہی کے نام پر اس کا نام رکھا گیا تھا۔

سعدی ۱۹۶ھ میں مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے اور تقریباً بائیس تیئیس سال نہایت محنت سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پرانے زمانے کی باتیں لکھتے وقت معمولی غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں، ممکن ہے وہ اتنا لمبا عرصہ اس یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم نہ رہے ہوں۔ بہرحال یہ بات بالکل درست ہے کہ انہوں نے نہایت امتیاز کے ساتھ فضیلت کی سند لی۔ خوش قسمتی سے اس زمانے میں مدرسہ نظامیہ کے استادوں میں بڑے بڑے فاضل اور نامی گرامی علمائے دین شامل، ان میں علامہ ابنِ جوزی کا نام خاص ہے۔ علامہ موصوف اپنے زمانے کے اتنے بڑے عالم تھے کہ ان کی ذات پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب تک فخر کیا جاتا ہے۔

علامہ جوزی کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ درس و تدریس کے بعد جو وقت بچتا تھا اس میں وہ تصنیف و تالیف کا کام کیا کرتے تھے۔ حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کتابت کرنا ان کا خاص شوق تھا۔ انہوں نے اس مبارک کام پر اپنا کتنا وقت صرف کیا تھا اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب اُن کا انتقال ہوا تو انہیں غسل دینے کے لیے قلم کے ان تراشے سے پانی گرم کیا گیا، جو محفوظ رکھے گئے تھے۔ کہتے ہیں وہ احادیث لکھنے کے لیے قلم بناتے تھے تو تراشہ ایک کوٹھڑی میں جمع کرتے جاتے تھے اور مرنے سے پہلے وصیّت کی تھی کہ میری میّت کے غسل کے لیے اسی تراشے سے پانی گرم کیا جائے۔ تراشہ اتنا زیادہ تھا کہ پانی گرم کرنے کے بعد بھی کافی بچ رہا۔

سیاحت :

ایسے عالم فاضل اور پاک دل عالموں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد سعدیؒ کی قابلیت کتنی بڑھ گئی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اگر وہ عیش و آرام سے زندگی گزارنے کا ارادہ کرتے تو یہ بات کچھ مشکل نہ تھی۔ کسی بادشاہ کے دربار میں انہیں آسانی سے کوئی منصب مل سکتا تھا، لیکن علم نے انہیں انسان کی زندگی کے اصلی مقصد کی طرف راغب کر دیا تھا۔ یہ مقصد ہے اللہ پاک کے احکام کے مطابق دُنیا سے بُرائی کو مٹانا اور بھلائی کو پھیلانا۔ شیخ سعدی نے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے بڑے بڑے ملکوں کے سفر کیے۔ ان کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ بادشاہوں اور امیروں کے درباروں میں جاتے تھے اور نہایت قابلیت سے انہیں یہ بات سمجھاتے تھے کہ عیش و عشرت میں پھنسے رہنا اور لوگوں پر ظلم کرنا بہت بُری بات ہے۔ اگر خدا نے تمہیں بڑا بنایا ہے تو لوگوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ انصاف کرو اور خلقِ خدا کی بھلائی کے کاموں میں لگے رہو۔ پھر ان کی یہ تبلیغ بادشاہوں اور امیروں تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ جہاں بھی موقع ملتا تھا وہ یہ اچھی باتیں لوگوں تک پہنچاتے تھے اور انہیں سچائی کے راستے کی طرف لانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور چونکہ یہ باتیں ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی تھیں، اس لیے لوگوں پر ان کا اثر ہوتا تھا۔

بعض روایتوں کے مطابق سعدیؒ نے پاپیادہ چودہ حج کیے۔ اس کے علاوہ وہ برِّاعظم ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں گھومے، بلکہ یورپ بھی گئے۔ ہمارے زمانے میں یہ بات کچھ مشکل نہیں۔ ہر جگہ ہوائی جہازوں، ریلوں اور موٹروں کا انتظام ہے۔ ایک بچّہ بھی دور دراز کا سفر کر سکتا ہے۔ لیکن اس زمانے میں ایسی آسانیاں نہ تھیں۔ نہ صاف ستھری سیدھی سڑکیں تھیں نہ ایسی اچھی سواریوں کا انتظام تھا۔ لوگ عموماً گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے، جن کے پاس یہ سواری بھی نہ ہوتی تھی وہ پیدل چلتے تھے اور خطرناک جنگلوں اور ریگزاروں سے گزر کر اپنی منزل پر پہنچتے تھے۔ ان دشواریوں کے علاوہ چوروں، ڈاکوؤں اور درندوں کا خطرہ الگ رہتا تھا۔ سفر کرنے والوں میں بہت ہی خوش نصیب لوگ بغیر کسی پریشانی اور نقصان کے منزل پر پہنچتے تھے۔

ان سب باتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے سعدی کی اس سیر و سیاحت کے بارے میں سوچیں تو ان کی بہادری، ہمت اور عزمِ بلند کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

وطن واپسی :

کافی لمبا عرصہ سیر و سیاحت میں گزارنے کے بعد سعدی کو وطن یاد آیا۔ یہ ۶۵۵ھ کی بات ہے۔ ابوبکر سعد بن زنگی کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے وطن میں بڑی بڑی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبدیلیاں آچکی تھیں۔ یہاں آکر اس بات کی بہت گنجائش تھی کہ وہ دربار میں کوئی اونچا منصب حاصل کر لیتے۔ کیونکہ اب وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جس کا کلام تقریباً ساری دنیا میں مقبولیت کا درجہ حاصل کر چکا تھا اور جس کا نام شہرت کے آسمان پر سورج کی طرح روشن تھا، لیکن انہوں نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔ اس کی بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ اطمینان بھی ہو چکا ہوگا کہ انہوں نے اپنا فرض بڑے اچھے طریقے سے ادا کیا ہے۔

اگرچہ اب سعدی لوگوں سے میل جول نہ بڑھاتے تھے، لیکن ان کی مقبولیت میں فرق نہ آیا۔ علم و ادب کے قدر دان اور نیکی سے محبت کرنے والے لوگ سچے دل سے ان کی قدر کرتے تھے۔ ۱۲۵۵ء سے لے کر ۱۲۹۲ء تک وہ اپنے وطن ہی میں رہے یہاں تک کہ قدرت کے قانون کے مطابق موت کا پیغام آگیا۔

شیراز کے ایک امیر خواجہ علاؤ الدین نے سعدی کی زندگی ہی میں ان کے مقبرے کی تعمیر کے لیے انہیں پچاس ہزار دینار دے دیے تھے اور اس رقم سے انہوں نے اپنا مقبرہ بنوا لیا تھا۔ انہیں اسی مقبرے میں دفن کیا گیا۔ یہ مقبرہ شیراز میں اب بھی موجود ہے۔ جو لوگ ایران کی سیر کے لیے جاتے ہیں وہ سعدیؒ کے مقبرے کی زیارت ضرور کرتے ہیں۔

سعدی کا کردار:

سعدی علم اور عمل دونوں لحاظ سے کامل انسان تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی خلقِ خدا کی بھلائی کے کاموں میں گذاری۔ اگر وہ چاہتے تو ڈھیروں مال و دولت اکٹھا کر کے عیش و عشرت کی زندگی گزارتے، لیکن انہوں نے ایثار اور قربانی کا راستہ اختیار کیا۔ اس حکیم کی طرح نگر نگر گھومتے پھرے جو دنیا سے بیماریوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ہر مریض کی امداد کے لیے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱ بعض آدمی صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں، یعنی وہ باتیں تو بڑی اچھی اچھی کرتے ہیں اور دوسروں کو ان باتوں پر عمل کرنے کی تلقین بھی کرتے رہتے ہیں خود عمل نہیں کرتے، لیکن سعدی گفتار کے غازی ہونے کے ساتھ کردار کے غازی بھی تھے۔ آن کے بارے میں یہ بات سب نے مانی ہے کہ وہ بڑے بڑے سخت مزاج بادشاہوں کے درباروں میں بھی حق بات کہنے سے نہ ہچکچاتے تھے۔ ہاں ان کے ٹوکنے اور نصیحت کرنے کا انداز کسی قدر مختلف تھا۔ وہ ایسی میٹھی زبان اور ایسے خوبصورت پیرائے میں نصیحت کرتے تھے کہ ان کا مخاطب انہیں اپنا دوست خیال کر کے ان کی بات پوری توجہ سے سنتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ ان کی شیریں گفتار کے بارے میں لوگوں کی یہ رائے تھی کہ یہ شخص الفاظ کے ذریعے دوسروں پر جادو کر دیتا ہے۔ یہ دراصل جادو وغیرہ کچھ نہ تھا۔ سعدی وہی الفاظ استعمال کرتے تھے جو عام لوگوں کی زبانوں سے ادا ہوتے ہیں، اگر ان کی بات میں اثر تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ الفاظ ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتے تھے اور وہ بنی نوع انسان کے سچے خیر خواہ تھے۔ وہی کہتے تھے جو حق ہوتا تھا۔

بے نفسی اور صبر و توکل ۱

شان و شوکت کی خواہش اور عیش و عشرت کی تمنا، یہ دو باتیں ایسی ہیں جنہیں ہر قسم کی برائی کی جڑ خیال کرنا چاہیے۔ اگر تحقیق کریں تو پتہ چلے گا کہ ہر بے اصول اور برا آدمی انہی خواہشوں کی وجہ سے گناہ کی دلدل میں پھنسا ہوگا۔ اللہ پاک جن لوگوں پر خاص مہربانی فرماتا ہے وہ یہ بات سمجھ لیتے ہیں کہ سچی عزت و شوکت دکھانے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بھلائی کے کام کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ حقیقی اطمینان اور آرام انہیں ملتا ہے جو صبر و توکل کو اپنا شعار بناتے ہیں اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعدیؒ انہی خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جو اچھائی اور برائی کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور پاکیزہ اصولوں کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی زندگی کیسی صاف ستھری اور سادہ تھی۔ اس کا اندازہ صرف اسی بات سے ہو سکتا تھا کہ جو کھانا انہیں میسر آتا تھا پورے کا پورا کبھی نہ کھاتے تھے، بلکہ اس میں سے دوسرے مستحق لوگوں کا حصّہ نکال کر خود کھاتے تھے۔ ان کی زندگی کے حالات جمع کرنے والے عالموں نے لکھا ہے "سعدی اپنی روٹی کے تین حصّے کرتے تھے، ایک حصّہ خود کھاتے تھے، ایک دروازے پر آنے والے فقیر کو دیتے تھے اور ایک ایسے مزدور کی نذر کرتے تھے جو محنت مزدوری کرنے کے باوجود تنگ دست ہوتا تھا۔"

سچا اطمینان اور حقیقی مسرت حاصل کرنے کے سلسلے میں بزرگوں نے ایک زرّیں اصول یہ بتایا ہے کہ خود سے اونچا درجہ رکھنے والے لوگوں کی نقل کرنے اور حریص بننے کی جگہ انسان کو چاہیے ان لوگوں کی طرف نظر رکھے جو اس سے بھی زیادہ پست حالت میں ہوں۔ سعدی اس اصول پر بھی پوری طرح عامل تھے۔

کہتے ہیں ایک بار وہ دمشق کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو وہاں کسی نے ان کے جوتے چرا لیے۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، لیکن جب وہ دمشق کے بازار سے ننگے پاؤں گزر رہے تھے تو ان کے ذہن پر اس محرومی کا بہت بوجھ تھا۔ وہ سوچ رہے تھے ایسے پُر رونق بازار میں مجھے ننگے پاؤں چلنا پڑ رہا ہے۔ اسی حالت میں اچانک ان کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس کے دونوں پاؤں کسی حادثے میں کٹ گئے تھے، اس اپاہج کو دیکھتے ہی ان کے ذہن کی کیفیت بدل گئی۔ انہوں نے اس بات کے لیے سچّے دل سے اللہ پاک کا شکر ادا کیا کہ میرے پیر تو سلامت ہیں جن سے میں چل پھر سکتا ہوں، جبکہ اس دُنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو پیروں ہی سے محروم ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دانائی :

سعدیؒ کو اللہ پاک نے یہ صفت عطا کی تھی کہ وہ ہر بات کی اصلیت کو فوراً پالیتے تھے اور ہر معاملے کو سلجھانے کے لیے ایسی تدبیر بتاتے تھے کہ بالکل ٹھیک ثابت ہوتی تھی۔ ان کی دانائی اور معاملہ فہمی کی بہت سی حکائتیں بیان کی گئی ہیں۔ ہم ایک حکایت یہاں درج کرتے ہیں :

کہتے ہیں ایک امیر اپنے مصاحبوں اور نوکروں چاکروں سمیت کشتی میں بیٹھا دریا کی سیر کر رہا تھا۔ سعدی بھی اس کے ہمراہ تھے۔ دریا کی سطح پُرسکون اور موسم بیحد خوشگوار تھا مگر اس امیر کے ایک ملازم نے سارا لُطف کرکرا کر رکھا تھا۔ اس دن سے پہلے وہ شخص کبھی کشتی میں نہ بیٹھا تھا اس لیے ڈر رہا تھا اور اس کے چیخنے چلانے سے ہر شخص بیزار ہو رہا تھا۔ امیر نے کہا "سمجھ میں نہیں آتا اس کا کیا علاج کیا جائے"؟

امیر کی یہ بات سُن کر سعدی نے کہا "اگر آپ اجازت دیں تو مَیں آسانی سے اس کا علاج کر سکتا ہوں"۔ امیر نے فوراً اجازت دے دی۔ سعدی نے امیر کے دوسرے نوکروں کو حُکم دیا "اس شخص کو اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔"

نوکروں نے اس حُکم کی فوراً تعمیل کی۔ دریا سے ڈر کر چیخنے والے ملازم کو کشتی سے نیچے پھینک دیا اور وہ غوطے کھانے لگا۔ سعدی خاموش بیٹھے اس کی حالت دیکھتے رہے۔ جب وہ شخص کئی غوطے کھا چکا تو نوکروں کو حُکم دیا۔ اب اسے پانی سے نکال لو۔ ان کے اس حُکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

امیر حیران تھا کہ اس دانا بینا شخص نے یہ کیا عجیب و غریب علاج کیا ہے۔ لیکن جب اُس نے یہ دیکھا کہ اُب وہ ملازم بالکل خاموش بیٹھا ہے تو سعدی کے بارے میں اُسے اپنی رائے بدلنی پڑی۔ اُس نے کہا "آپ کی اس ترکیب سے مطلوبہ فائدہ تو حاصل ہو گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ کیا علاج تھا کہ آپ نے غلام کو دریا میں پھینکوا دیا ؟"

سعدی نے جواب دیا " دراصل یہ شخص آج سے پہلے کشتی میں سوار نہ ہوا تھا اس لیے دریا سے خوفزدہ تھا۔ میں نے اس کا یہ ڈر دُور کرنے کے لیے اُسے دریا میں پھینکوایا تھا اور اب آپ ہی دیکھ رہے ہیں کہ اس کا سارا خوف دُور ہو گیا ہے "

امیر سعدی کی اس دانائی پر عش عش کر اُٹھا۔

باکمال شاعر :

سعدیؒ دُنیا کے ان خوش قسمت شاعروں میں سے ہیں جنہیں اُن کی زندگی میں مقبولیت کا درجہ حاصل ہوا اور موت کے بعد بھی ان کی شہرت، مقبولیت اور کمال کی وجہ سے ان کا نام پہلے لکھنا پڑتا ہے۔

اس عالمگیر شہرت اور مقبولیت کے علاوہ سعدی کا بہت بڑا اعزاز یہ ہے کہ انہوں نے شاعری کو صرف دل بہلانے اور سستی شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ اپنی اس خداداد صلاحیت سے اچھی باتیں پھیلانے اور لوگوں کی بگڑی ہوئی عادتیں ٹھیک کرنے کا کام لیا۔ ان کی شاعری سراسر اخلاقی شاعری ہے اور انہوں نے اپنی شاعری میں ایسے حکیمانہ نکتے بیان کیے ہیں کہ اگر کوئی شخص انہیں اچھی طرح سمجھ لے اور ان پر عمل کرے تو اسے زندگی کی سچی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

کسی شاعر کے شعروں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جائیں اور وہ انہیں ضرب الامثال کے طور پر بیان کریں۔ سعدی کے شعروں میں یہ خوبی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ کئی سو سال گزرنے کے باوجود ان کے اتنے شعر لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں کہ دُنیا کا کوئی اور شاعر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سعدی کی مقبولیت اور شہرت کے سلسلے میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں، اس زمانے کے ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا۔ اچانک آسمان کے دروازے کھل گئے اور فرشتے نُور سے بھرے ہوئے طبق لیے زمین پر اُترنے لگے۔ یہ عجیب ماجرا دیکھ کر ان بزرگ نے ایک فرشتے سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا۔ آج سعدیؒ کا ایک شعر اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول ہو گیا ہے اور یہ برکتیں اسی خوشی میں زمین پر نازل کی جا رہی ہیں۔

یہ خواب دیکھ کر ان بزرگ کی آنکھ کھلی تو وہ اسی وقت سعدی کے گھر پہنچے، وہاں انہوں نے یہ منظر دیکھا کہ چراغ روشن ہے اور سعدی جھوم جھوم کر وہی شعر پڑھ رہے ہیں جو انہوں نے فرشتے کی زبان سے سُنا تھا۔ وہ شعر یہ ہے:

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اس کا مطلب یہ ہے:

"ہوشمند اور عاقل لوگوں کی نظر میں درختوں کے سبز پتّے ایسے اوراق ہیں جو اپنی اپنی جگہ اللہ پاک کی معرفت کا ایک ایک دفتر ہے۔"

اگر ہم غور کریں تو سعدی کے اچھے شعروں کی برکت سے نُور سے بھرے ہوئے طبق آج بھی آسمان سے نازل ہو رہے ہیں۔ جب ہم یہ اچھے شعر پڑھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں اللہ پاک کی عظمت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سچّے رسُول حضرت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبّت پیدا ہوتی ہے، ماں باپ کا درجہ ظاہر ہوتا ہے اور دوسروں سے نیکی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

بُرے آدمی ہر اچھی چیز کو خراب اور مشکوک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قاعدے کے مطابق بعض شیطانوں نے سعدی کو بھی بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ کچھ گندے گندے شعر لکھ کر ان کے کلام میں شامل کر دیے ہیں، لیکن جن لوگوں کو اللہ پاک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے عقل دی ہے وہ صاف فرق محسوس کرتے ہیں کہ یہ سعدی کا کلام ہے اور یہ کسی اور نے ان کے نام سے وابستہ کر دیا ہے۔

اس محترم ایرانی بزرگ کی زندگی کے حالات ہم اس بات پر ختم کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنانا چاہیے اور یہ بات اپنے دلوں میں بٹھا لینی چاہیے کہ جو لوگ بُرائی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کی راہ چلتے ہیں۔ محنت مشقت کر کے علم حاصل کرتے ہیں اور پھر بنی نوع انسان کی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنا لیتے ہیں، اللہ پاک انہیں دُنیا میں ہر طرح کی کامیابیاں عطا فرماتا ہے، نہ ختم ہونے والی شہرت سے نوازتا ہے اور آخرت میں جنّت کے باغوں میں داخل فرماتا ہے جو اس کا سب سے بڑا انعام ہے۔

حضرت سعدی کی کتابیں گلستاں اور بوستاں بہت عُمدہ اخلاقی حکایتوں اور اشعار سے بھری ہوئی ہیں۔ راقم الحروف نے ان دونوں کتابوں کی حکایات آسان اُردو زبان میں لکھی ہیں۔ اشعار کا ترجمہ اشعار ہی میں کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں انہی ناموں سے بازار میں دستیاب ہیں۔ یہ لاہور کے ایک بہت مشہور پبلشنگ ادارے نے شائع کی ہیں۔

اللہ پاک ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اپنے دین اور اس کے اخلاقی اصولوں کی اہمیت کو سمجھیں اور حقیقی معنوں میں مسلمان بن جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت شاہ رُکن الدینؒ ملتانی

برِصغیر پاک و ہند کو جن بزرگ صُوفیا کے قدموں سے برکت حاصل ہوئی، ان میں قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ قابلِ فخر خاندانی وجاہت، زہد و اتقا، علم و فضل اور شاندار دینی خدمات کے باعث آپ کی ذات بلامبالغہ مینارۂ نُور نظر آتی ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے پُر آشوب دور میں دُنیا پرست صوفیا و علماء، مطلق العنان بادشاہوں اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور عام مسلمانوں نے دین کی تمام عظمتوں کو ایک طرح پامال کر دیا تھا اور اس مُلک کے مسلم معاشرے کو اُبھرتی ہوئی غیر مُسلم طاقتوں کے چیلنج کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا، خدا کے کچھ برگزیدہ بندوں نے برِصغیر کے مختلف گوشوں میں ہدایت کے چراغ روشن کیے اور اس بھیانک تاریکی کو بڑھنے سے روکا جو اسلام کے نور سے درخشاں گنبدوں اور میناروں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

یہ منتخبِ روزگار لوگ وہ صوفی اور درویش تھے جنہوں نے اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر پوری پامردی سے دینِ اسلام کی حفاظت کی۔ انہوں نے ایک طرف طاقت کے نشے میں بدمست حکمرانوں اور ان کے با اختیار کارندوں کو ان کی بے اعتدالیوں پر نہایت جُرات سے ٹوکا اور دوسری طرف اپنی بے داغ سیرت کا نمونہ پیش کر کے عام مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو دین کا صحیح راستہ دکھایا۔ ہمارے آج کے دور میں اس گروہ کو نہایت سختی سے ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بگڑے ہوئے صوفیوں اور درویشوں نے اس اُمّت کو ذلیل اور گمراہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، لیکن یہ بھی ایک سچائی ہے کہ یہ اکابر صوفیاء اور خدارسیدہ درویش ہی تھے جنہوں نے اس برصغیر کے ہر گوشے کو اسلام کے نور سے منور کر دیا۔ لاہور، ملتان، اوچ، تونسہ، سرہند، دہلی، ہانسی، اجمیر، گلبرگہ، سلہٹ اور دوسرے بہت سے مقامات پر ان بزرگوں کے مزارات آج بھی مراکز انوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمارے دور کے بگڑے ہوئے صوفی اور درویش تو اسلام کے مُسلّمہ اصولوں سے روگردانی اور ان مقدس اصولوں کی عجیب عجیب تاویلوں کے حوالوں سے پہچانے جاتے ہیں، لیکن جن بزرگانِ ملّت کے محترم گروہ کا ذکر کیا گیا ان کی سب سے بڑی پہچان ہی شریعت حقّہ کا پورا پورا اتباع تھا۔ قرآن اور سُنّت ان کی راہ کے چراغ تھے اور وہ دوسروں کو انہی چراغوں کی روشنی سے دین کا راستہ دکھاتے تھے؛ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کی خانقاہ کے ساتھ مسجد تعمیر نہ ہوئی ہو اور اس کے پانچوں وقت باجماعت نماز ادا کرنے کا ثبوت فراہم نہ ہوتا ہو۔ ان کا طریقِ تبلیغ بے شک اپنے زمانے کی ضرورتوں اور مخاطبین کی نفسیات کے مطابق تھا، لیکن وہ لوگوں کو بلاتے اللہ کے دین ہی کی طرف تھے، اور یقیناً یہی بات ان کے مقبولِ بارگاہ اور محبوب خلائق ہونے کا باعث تھی۔

برِصغیر کے ان مبارک شہروں میں جو اولیاء اللہ کی اقامت گاہ بنے ایک ملتان بھی تھا۔ یہاں حضرت بہاءالدین زکریا، آپ کی اولاد اور خلفاء و مریدین نے رشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں رکھیں۔ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکنِ عالم اسی شجرِ طیّب کے گُل سرسبد تھے۔ آپ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور تقریباً پون صدی چشمۂ صافی بن کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روحوں کی پیاس بجھاتے رہے۔ اس خاص اہمیت کے علاوہ اپنی قدامت اور تاریخی و جغرافیائی اہمیت کے اعتبار سے بھی ملتان برِ صغیر کے اہم شہروں میں گنا جاتا تھا۔ مؤرخین کی تحقیق کے مطابق پیدائشِ مسیح سے کافی عرصہ قبل بھی یہ شہر علاقے کا صدر مقام اور تہذیب و تمدن کا گہوارا تھا۔ ہندوؤں کے عروج کے زمانے میں اس نے کئی نام پائے۔ کیشب پور، ہنس پور، سنبھا پور اور ملاستھان اس شہر کے وہ نام ہیں جو تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ آخری نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس زمانے میں یہاں سورج دیوتا کا بہت بڑا مندر تھا، ملایامو سورج کو کہا جاتا تھا، اسی مناسبت سے اس کا نام ملاستھان پڑا جو بگڑ کر ملتان ہو گیا۔ عربوں نے فتح کیا تو اسے وادی الذہب (سونے کی وادی) اور دارالامان نام دیا۔

اب یہ شہر اس انداز سے تو سیاسی اور روحانی مرکز نہیں ہے، لیکن حضرت قطب الاقطاب کا عظیم و رفیع روضہ عہدِ رفتہ کی عظمتوں کا آج بھی یقین دلاتا ہے۔

حضرت کا خاندان:

مستند تاریخی اسناد کے مطابق آپ قریشی الاصل تھے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت کمال الدین علی شاہ مکہ سے ہجرت کر کے خوارزم میں تشریف فرما ہوئے اور پھر مستقل طور پر ملتان کو اقامت کا شرف بخشا۔ ان کے فرزند حضرت وجیہہ الدین کی شادی حضرت مولانا حسام الدین ترمذی کی دختر سے ہوئی۔ مولانا نواحِ ملتان میں بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے اور ایک قلعے میں رہتے تھے۔ شادی کے بعد حضرت وجیہہ الدینؒ اسی قلعے میں رہنے لگے۔ آپ کے فرزندِ نامدار حضرت غوث بہاالدین زکریا یہیں پیدا ہوئے۔ آپ نے سنِ شعور کو پہنچ کر ملتان میں رہائش اختیار فرمائی اور بہت بلند روحانی مقام حاصل کرنے کے ساتھ بادشاہ ہند شمس الدین التمش کی طرف سے شیخ الاسلام کا عہدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلیلہ بھی پایا۔

حضرت غوث خواجہ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ پاک نے کئی اولادیں عطا فرمائیں، ان میں حضرت خواجہ صدرالدین محمدؒ کو رحیم وکریم خدا نے یہ شرف عطا کیا کہ آپ اس مولودِ مسعود کے والدِ گرامی بنے جو اس خطے میں اسلام کا ایک پُرجوش اور مخلص محافظ بن کر ولایت کا تاج زیبِ سر کرنے والا تھا۔

مؤرخین کی روایات کے مطابق حضرت قطب الاقطابؒ، شاہ رکن الدین بروز جمعہ ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ھ دُنیا میں تشریف لائے۔ محترم دادا نے رکن الدین نام تجویز کیا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی بی بی راستی ہے۔ بیان کیا گیا ہے نیکی اور تقویٰ کے لحاظ سے یہ بی بی اسم بامسمےٰ تھیں۔ آپ قرآن کی حافظہ تھیں اور طہارت کا اس قدر خیال رکھتی تھیں کہ وضو کیے بغیر اپنے بچے کو دُودھ بھی نہ پلاتی تھیں۔ لوری دینے کی ضرورت محسوس ہوتی، تو قرآنِ مجید کی آیات تلاوت فرماتیں۔ آپ کا مزار اب بھی بی بی پاک دامن کہلاتا ہے۔ آپ سلطان جمال الدین شاہ فرغانہ کی صاحبزادی تھیں۔

تعلیم وتربیت:

ایسے عظیم المرتبت خاندانوں میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف یُوں بھی خاص طور سے توجہ دی جاتی ہے جو دینی اور دنیاوی جہتوں سے ممتاز ہوں، لیکن حضرت رکن الدین کی تعلیم وتربیت خود حضرت خواجہ غوث بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذمے لی اور یقیناً یہ اسی توجہ کا فیض تھا کہ آپ کی ذات سے بالکل نوعمری ہی میں روحانیت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس ضمن میں تذکرہ نویسوں نے بہت سی کرامتیں بیان کی ہیں۔ ان سے قطع نظر آپ کی یہ کرامت ظاہر و باہر تھی کہ آپ غیر معمولی طور پہ ذہین اور متین تھے، جو بھی آپ کو دیکھتا تھا اس کا دل ادب و احترام کے جذبات سے بھر جاتا تھا۔ حُسن سیرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ خدا نے حُسنِ صورت بھی بے مثال عطا فرمایا تھا۔

تعلیم کا آغاز اپنے دادا جان کی قائم کردہ درس گاہ المدرستہ البہائیہ میں کیا۔ آپ نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر مروجہ دینی و دنیاوی علوم حاصل کیے۔

تذکرہ نگاروں نے آپ کے بچپن کا ایک واقعہ بطورِ خاص لکھا ہے اور اسے ایک غیبی اشارہ قرار دیا ہے۔ آپ کی عمر چار سال تھی کہ ایک دن اپنے دادا حضرت خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کی دستار اٹھا کر اپنے سر پہ رکھ لی۔ آپ کے والد خواجہ صدر الدین محمدؒ نے اسے ایک طرح کی گستاخی تصور فرمایا اور آپ کو تنبیہ کی، لیکن حضرت خواجہ اس بات سے خوش ہوئے۔ فرمایا "انشاء اللہ یہ ہمارا صحیح جانشین ثابت ہوگا" اور پھر وہ دستار اس تاکید کے ساتھ ایک صندوق میں محفوظ کرا دی کہ جب یہ سنِ شعور کو پہنچ جائے تو اسے عطا کی جائے۔

آپ کی عمر ۱۴ سال تھی کہ دادا صاحب کا وصال ہو گیا اور آپ کے والد مسند نشین ہوئے۔ اب آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمّہ داریاں انھوں نے پوری کیں اور آپ کی روحانی شخصیت روز بروز نکھرتی چلی گئی۔ لڑکپن اور نوجوانی کے زمانے میں ہی لوگ آپ کو صاحبِ کشف و کرامت ماننے لگے تھے اور یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ خدا آپ کی دُعا قبول فرماتا ہے؛ چنانچہ دُعا کے لیے لوگ کثیر تعداد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

مسند نشینی اور عام حالات:

۲۳ ذی الحجہ ۷۰۹ھ کو آپ کے والد صاحب اس عالمِ فانی سے عازمِ عالمِ جاودانی ہوئے اور آپ اپنے اجداد کی روحانی گدی کے وارث قرار دیے گئے۔ بادشاہ دہلی کی طرف سے شیخ الاسلام کا عُہدہ بھی قبول کرنے کی دعوت دی گئی جو آپ نے منظور فرمالی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا ہے، برِصغیر ہند کا مُسلم معاشرہ اس زمانے میں تضادات کا مجموعہ تھا۔ تاریخ کا ہر طالب علم اس بات سے آگاہ ہے کہ محمدؐ بن قاسم سے لے کر محمدؐ غوری تک فاتح کی حیثیت سے جو مسلمان بھی اس ملک میں داخل ہوا وہ دینی جذبے سے سرشار تھا، چنانچہ غیاث الدین بلبن کے زمانے تک یہ حالت رہی کہ بادشاہ کے دربار میں سب سے زیادہ عزت اور وقار علماء کو حاصل ہوتا تھا۔ خاص دینی معاملات میں تو یہ حضرات کُلی طور پر سیاہ و سپید کے مالک ہوتے ہی تھے، لیکن دنیاوی امور میں بھی حکمران ان کی رائے کا احترام کرتے تھے۔

یہی حالت عام مسلمانوں کی تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اس دور کے مسلمان دین کے رنگ میں اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ آٹا پیسنے والی بیسن ہاریاں چکی گھماتے وقت قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق ملک الامرا فخر الدین کوتوال کی سرکار سے بارہ ہزار حافظ وظیفہ پاتے تھے۔ ہر حافظ، قرآن کے اڑھائی پارے روزانہ تلاوت کرتا تھا اور یوں ایک ہزار قرآن روزانہ ختم ہوتے تھے۔

بادشاہ، اس کے خاندان کے افراد اور امراء و عہدے دار بہت عقیدت سے نامور بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوتے تھے اور اگر کوئی بزرگ دربار میں آتا تھا تو شایانِ شان طریقے سے اس کا استقبال کرتے تھے۔

یہ صورت کسی نہ کسی حد تک خلجیوں اور تغلقوں کے عہد میں بھی باقی رہی، لیکن ان دونوں شاہی خانوادوں کے دورِ اقتدار میں دین سے شغف اور دینی محبت پر بتدریج دُنیا کی محبت غالب آتی چلی گئی۔ حصولِ اقتدار کی جو جنگ شاہی محلات کی غلام گردشوں اور خلوت خانوں میں لڑی جاتی تھی، کھُلے میدانوں میں آ گئی اور اس کا اثر عبادت گاہوں پر بھی پڑنے لگا۔ علماء اور صوفیاء دونوں گروہوں میں ایسے لوگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوگئے جو بادشاہ کی خوشنودی کو خدا اور رسولؐ کی خوشنودی پر ترجیح دیتے تھے اور ان کی منشاء کے مطابق مسائل کی تادلیں کرنے پر آمادہ ہوجاتے تھے۔

اصلاحِ احوال کی کوشش :

ہوسِ اقتدار میں مبتلا اور طاقت کے نشے میں مدہوش حکمرانوں کو تو اپنی اغراض کے علاوہ کسی اور بات پر غور کرنے کی فرصت ہی نہ تھی، لیکن ذی شعور مسلمان یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ہندوستان جیسے ملک میں، جسے مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا تھا اور جس کے باشندوں کی غالب اکثریت اپنے آبائی مذہب اور رسوم و رواج سے گہری محبت کرتی تھی، مسلمانوں کا اقتدار صرف اعلیٰ کردار اور دینی حمیت سے باقی رہ سکتا تھا، بالخصوص صفِ اوّل کے علماء اور صوفیاء تو اس حقیقت سے پوری طرح آشنا تھے اور اسی آگاہی کی بناء پر اپنے اپنے دائرے میں اصلاحِ احوال کی کوشش کرتے رہے۔

مطمحِ نظر ان سب حضرات کا یقیناً ایک ہی تھا، لیکن طریقِ کار کے اعتبار سے یہ دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک دین کے معاملات میں کسی قسم کی مصلحت اور معمولی سی روا داری کا بھی قائل نہ تھا۔ اس گروہ کے مصلح بے خوفی سے آگے بڑھ کر بڑے سے بڑے عہدے کے لوگوں کو ان کی بے اعتدالیوں پر برملا ٹوکتے تھے اور ان کے تشدد کا نشانہ بنتے تھے۔ اس میں سلطان محمد تغلق کے زمانے کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات علماء کا یہ گروہ دین کی حفاظت کے معاملے میں کیسا مستعد اور دلیر تھا اور اُسے کیسے ہولناک مظالم برداشت کرنے پڑے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن سلطان نے دربار میں یہ سوال اٹھایا کہ اگر آج بھی کوئی شخص معجزہ دکھائے اور پیغمبری کا دعوےٰ کرے تو کیا یہ خیال کرنا چاہیے کہ پیغمبری کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور کیا ایسے شخص کی تصدیق ضروری نہ ہوگی؟ اس زمانے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور عالم حضرت مولانا عماد الدین دربار میں موجود تھے، انہوں نے بادشاہ کی زبان سے یہ بات سُنی تو برہم ہو کر بولے "جھک نہ مار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔" مولانا کا یہ کہنا تھا کہ جلاد ان پر جھپٹ پڑے اور ان کی زبان کاٹ کر سر تن سے جُدا کر دیا۔

اس اندوہناک واقعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ التمش، ایبک اور بلبن جیسے دین دار مسلمان بادشاہوں کے جانشینوں کے انداز فکر و عمل میں کتنی بڑی تبدیلی رُونما ہوتی چلی گئی اور انہیں ٹوکنے والوں کو کیسا تشدّد برداشت کرنا پڑا۔

دوسرے گروہ کا طریقِ اصلاح یہ تھا کہ با اختیار لوگوں کے قریب ہو کر اور حالات کا پوری طرح اندازہ کر کے ایسے طریقے سے بے اعتدالیوں کی نشاندہی کی جائے کہ بُرائی کرنے والے کے دل میں بُرائی کی کراہت پیدا ہو اور وہ اسے ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ مصائب سے خوفزدہ ہونے یا بُرے لوگوں سے سمجھوتہ کرنے کا معاملہ نہ تھا، بلکہ دانائی اور حکمت کے ساتھ اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنے کی بات تھی۔

حضرت قطب الاقطاب کا مسلک:

اصلاحِ احوال کے سلسلے میں حضرت قطب الاقطاب اور آپ کے بزرگ دوسرے مسلک کو اپنائے ہوئے تھے۔ آپ کے دادا محترم حضرت غوث بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ شاہی دربار سے وابستہ رہے اور شیخ الاسلام کا عہدہ قبول کیا۔ آپ کے والد محترم بھی اپنے زمانے کے شیخ الاسلام تھے اور ان کے بعد آپ نے بھی دربار سے اس وابستگی کو تقویٰ کے خلاف خیال نہ فرمایا، لیکن اس کے ساتھ ہی ان سب بزرگوں نے نہایت سختی کے ساتھ یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ اس وابستگی کو دنیاوی فوائد حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے، بلکہ بادشاہ کو دینی اُمور کی طرف راغب رکھنے اور خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا وسیلہ سمجھا جائے۔

حضرت قطب الاقطاب کی زندگی کے حالات میں یہ بات صراحت کے ساتھ لکھی گئی ہے کہ آپ نے متعدد بار بادشاہِ وقت کی دعوت پر دہلی کا سفر اختیار کیا اور ہر بار کثیر رقمیں آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی گئیں، لیکن ان میں سے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ طریقہ یہ رہا کہ ادھر بادشاہ کے کارندوں نے نذر پیش کی اور ادھر آپ نے مستحقین میں آخری کوڑی تک تقسیم کرا دی۔ اس کے علاوہ اس سلسلے میں ایک بہت ہی اچھا طریقہ یہ رہا کہ جو لوگ اپنے طور پر بادشاہ تک آواز نہ پہنچا سکتے تھے ان کی تکلیفوں اور ضرورتوں سے حکمرانوں کو آگاہ کرتے رہے۔

جب بادشاہ کی طرف سے دہلی آنے کی دعوت ملتی تھی، تو آپ شہر میں منادی کرا دیتے تھے کہ جو شخص کسی مقصد کے لیے درخواست دینے کا ارادہ رکھتا ہو اپنی درخواست ہم تک پہنچا دے۔ ایسی تمام درخواستیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی جائیں گی۔ اس اعلان کے بعد ایک بڑا صندوق باہر رکھوا دیا جاتا تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اپنی عرضداشتیں اس صندوق میں ڈالتے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ سفر کے دوران میں بھی جاری رہتا تھا۔ عرضداشتوں کا صندوق آپ کی سواری سے آگے رکھا جاتا تھا اور راستے میں آنے والی بستیوں کے لوگ اس میں اپنی درخواستیں اس میں ڈالتے جاتے تھے۔

دہلی پہنچ کر جب آپ بادشاہ سے ملاقی ہوتے تھے، تو یہ صندوق ساتھ رکھا جاتا تھا۔ آپ ایک ایک عرضی پڑھ کر اس کے مطالب سے بادشاہ کو آگاہ فرماتے تھے اور وہ اس وقت احکام لکھواتا جاتا تھا۔ اور یوں بغیر کسی دشواری کے ہزاروں بندگانِ خدا کی دادرسی ہو جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ بیان کیا گیا جس سے آپ کی ذات پر لوگوں کے اعتماد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک بار قیامِ دہلی کے دنوں میں آپ پالکی میں سوار ہو کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ملنے کے لیے روانہ ہوتے تو لوگوں نے خیال کیا کہ بادشاہ سے ملنے جا رہے ہیں اور اپنی درخواستیں پالکی میں ڈالنا شروع کر دیں۔ یہ سلسلہ اس وقت رُکا جب خادموں نے آگاہ کیا کہ آپ بادشاہ سے نہیں بلکہ خواجہ صاحب سے ملنے جا رہے ہیں۔

پُرشکوہ زندگی:

شاہی دربار سے وابستگی کے علاوہ آپ اور آپ کے بزرگوں کا ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ روایتی درویشوں اور صوفیوں کی طرح پھٹے ٹوٹے حالوں کو اپنی بزرگی کی علامت کبھی نہیں بنایا، بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق نہایت شان و شکوہ سے زندگی بسر کی کہ اگر اللہ پاک نے کوئی نعمت عطا کی ہو تو اس کا اثر انسان کے جسم پر بھی ظاہر ہونا چاہیے۔

اس خاندان کے بزرگ اچھے مکانوں میں رہتے، اچھا لباس زیب تن فرماتے اور دیگر تمام معاملات میں آسودہ حال لوگوں کی طرح زندگی گذارتے تھے۔ یہی طریقہ آپ کا بھی تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ احتیاط بھی تھی کہ دنیاوی لذّات نفس کو مغلوب نہ کرلیں۔ قدم قدم پر تزکیۂ نفس کا خیال رہتا تھا۔ آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی جلوت کی زندگی بے شک شاہانہ تھی، لیکن خلوت کی زندگی تارک الدنیا درویشوں سے مختلف نہ تھی۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ایک مہمان نے کسی جذبے سے مغلوب ہو کر یہ خواہش ظاہر کی کہ جو کھانا حضرت تناول فرماتے ہیں، مجھے اس میں سے دیا جائے! آپ کے ہاں مہمانوں کے لیے بہت اچھی غذائیں پکوائی جاتی تھیں۔ خدام نے اُسے سمجھایا کہ جو کھانے آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے ہیں وہ ہر لحاظ سے موزوں ہیں، لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ حضرت کو یہ بات معلوم ہوئی تو اجازت دے دی اور خدام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بے نمک جو کی روٹی اور کڑوا ساگ اس کے سامنے رکھ دیا۔ تب اور لوگوں کو بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جس بابا کے دسترخوان پر اوروں کو قسم قسم کی نعمتیں کھلائی جاتی ہیں وہ جو کی روٹی اور معمولی ساگ تناول فرماتا ہے۔

اس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی آپ کا یہی روّیہ ہوگا۔ دراصل یہی وہ منزل ہے جب بندے کو خدائے برحق کا سچّا قرب حاصل ہوتا ہے۔ کسی چیز تک رسائی ہی نہ ہو تو مجتنب رہنا کوئی کمال نہیں۔ کمال یہ ہے کہ سب کچھ حاصل ہو اور اپنے نفس کو بے لگام اور دنیاوی خواہشوں میں غرق نہ ہونے دیا جائے۔ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں سونے کی میخ زمین میں گاڑ کر اس سے گھوڑے باندھنا کوئی معیوب بات نہیں کہ گھوڑے اس پر پیشاب کرتے ہیں۔ معیوب بات یہ ہے کہ کوئی سونے کی میخ اپنے دل میں گاڑ لے! یقیناً یہی اسلام کا خلاصہ ہے کہ انسان دُنیا اور اس کی نعمتوں سے بیزاری کا اظہار نہ کرے۔ انسانی برادری کا حصّہ ہونے کے ناطے جو ذمّہ داریاں اس پر عاید ہوتی ہیں انہیں نہایت توجّہ سے پُورا کرتا رہے، لیکن اپنے دل کو صرف اللہ کی یاد کے لیے تمام خواہشوں سے خالی رکھے اور حضرت کی زندگی میں ہمیں یہ بات بہت نکھری ہوئی ملتی ہے۔

وسیع القلبی :

ہر شخص اس بات سے آگاہ ہے کہ مسلمانوں کو اور اُن کے زوال کے بعد اسلام کو جس بُرائی نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، وہ مرض نفاق ہے۔ شروع زمانے سے اس بیماری نے مسلمانوں کو کچھ اس طرح اپنی گرفت میں لیا کہ یہ ملّت ٹکڑوں اور گروہوں میں بٹتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ صوفیوں اور درویشوں کا وہ گروہ بھی اس سے نہ بچ سکا جس نے دُنیا کے تمام معاملات سے کنارہ کش ہو کر تزکیۂ نفس کو زندگی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقصدِ وحید بنانے کا دعویٰ کیا تھا، چنانچہ حضرت قطب الاقطاب کے زمانے میں چشتیوں اور سہروردیوں کے اختلافات خاصے نمایاں تھے۔ ان اختلافات کی شدت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے سلطان غیاث الدین تغلق نے بعض غلط فہمیوں کا شکار ہو کر جب اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے اثر کو کم کیا جائے تو اس کے مشیروں نے رائے دی کہ ملتان سے حضرت شاہ رُکن عالم کو دہلی بلوا لیجیے۔ حضرت خواجہ نظام الدین چشتی اور حضرت شاہ رُکنِ عالم سہروردی ہیں۔ یہ دونوں ایک شہر میں اکٹھے ہوں گے تو ایک سلطنت میں دو بادشاہ اور ایک نیام میں دو تلواریں نہ سمانے والا معاملہ ہو جائے گا اور ان دونوں کے اختلافات لوگوں کے ان سے بددل ہونے کا باعث بنیں گے، چنانچہ سلطان نے حضرت شاہ رُکنِ عالم کو دہلی تشریف لانے کی دعوت دی اور وہ تشریف لائے بھی، لیکن حضرت محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا سے ایسی محبت سے ملے، گویا ان دونوں کے مسلک میں کسی قسم کا فرق ہی نہیں۔ اور یوں اپنے عمل سے یہ بات ثابت کر دی کہ دو بادشاہ ایک سلطنت میں نہیں رہ سکتے، لیکن دو درویش ایک گدڑی میں گزارا کر سکتے ہیں۔

اس بات سے بالکل بے نیاز ہو کر کہ بادشاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو دہلی سے نکالنا چاہتا ہے اور انہیں اپنا ایک بڑا مخالف خیال کرتا ہے، آپ جب بھی دہلی آتے، حضرت خواجہ سے ضرور ملتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا وصال ہوا تو نمازِ جنازہ آپ ہی نے پڑھائی۔

شانِ استغناء:

یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ اگرچہ قطب الاقطاب مرفع الحال امراء کی طرح زندگی گزارتے تھے، لیکن آپ کے دل میں کسی دنیاوی منصب یا مال املاک کی بالکل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجتت نہ تھی۔ اس سلسلے میں آپ کی زندگی کا یہ واقعہ بہترین مثال ہے۔ ہوا یہ کہ ایک بار آپ بادشاہ کی دعوت پر دہلی تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ علم الدین نے یہ دعویٰ کیا کہ خواجہ صدر الدین محمد کی وفات کے بعد اپنے والد کی گدی کا جائز وارث میں ہوں، لہٰذا یہ منصب مجھے ملنا چاہیے۔

حضرت قطب الاقطاب کو شاہی دربار میں بہت رسوخ حاصل تھا۔ عوام بھی پرستش کرنے کی حد تک آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ آپ توجہ نہ فرماتے تو اس دعوے کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ نہ بادشاہ آپ کو گدی چھوڑنے پر مجبور کرتا اور نہ عوام تعارض کرتے، لیکن جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو بخوشی شیخ علم الدین کا دعویٰ تسلیم کر لیا، صرف اس قدر خواہش فرمائی کہ درگاہ کے موجودہ انتظامات اور طریقوں کو برقرار رکھا جائے۔ اس سلسلے میں یہ بات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ حضرت غوث بہا الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے روضے کی سجادہ نشینی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بلا مبالغہ یہ عہدہ ایک بڑے جاگیردار کی حیثیت سے بھی بڑا تھا۔ کثیر تعداد لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز بن جانے کے علاوہ سجادہ نشین کی تحویل میں بہت بڑی جاگیر ہوتی تھی۔ اس کے حیثیت کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے اپنے زمانہ اقتدار میں ایک سو گاؤں نذر کیے تھے۔

حق گوئی و بے باکی:

خلجی اور تغلق بادشاہ اپنی بعض خوبیوں کے باعث نیک نام بھی ہیں، لیکن ان کا یہ مشترکہ عیب تقریباً تمام مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنی رائے اور اپنے فیصلے کے خلاف کوئی بات سننا کسی طرح بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ اقتدار کے نشے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خوشامدیوں کے گروہ نے انہیں اس بات کا عادی بنا دیا تھا کہ جو شخص بھی اُن کی منشا کے خلاف لب کشا ہو اور ان کی رائے کے خلاف قدم اٹھائے بلا تأمل اُسے جلاد کے حوالے کر دیں۔ حضرت قطب الاقطاب حکمرانوں کی اس خود رائی اور تند خوئی سے بخوبی آگاہ تھے، لیکن آپ نے اپنی پوری زندگی میں ایسا کبھی نہیں کیا کہ کسی بات کو حق سمجھتے ہوں اور بادشاہ کو خوش کرنے یا اس کے خوف سے اسے ناحق قرار دے دیں۔

آپ کی اس حق گوئی اور بے باکی کا ایک واقعہ تو بہت ہی شاندار ہے۔ ۷۱۶ھ میں سلطان قطب الدین مبارک شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا تو حضرت قطب الاقطابؒ کو دہلی تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ اپنے دستور کے مطابق دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ بادشاہ بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت اور عوام کے اثر و رسوخ کی وجہ سے خائف تھا اور اُس نے عوام کی عقیدتوں کا رُخ موڑنے کے خیال ہی سے حضرت شاہ رُکنِ عالم کو دہلی بلایا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین کو حضرت شاہ رُکنِ عالم کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ دہلی سے ایک منزل دُور پیشوائی کے لیے تشریف لے گئے۔ دونوں بزرگ بہت عقیدت اور محبت سے ایک دوسرے سے ملے۔ دونوں نے کچھ وقت اکٹھا گزارا اور پھر خواجہ صاحب اپنی درگاہ میں لوٹ آئے۔

دوسرے دن بادشاہ نے شہر سے نکل کر حضرت شاہ صاحب کا استقبال کیا اور دورانِ گفتگو یہ بات پُوچھی: "حضرت! سب سے پہلے آپ کی ملاقات کس سے ہوئی؟" یہ سوال سُن کر حضرت نے جواب دیا۔ "اس شخص سے جو دہلی میں سب سے بہتر ہے۔" چونکہ اس وقت سب سے پہلے خود حضرت سے ملا تھا، اس لیے اس نے گمان کیا حضرت سب سے بہتر شخص اسی کو قرار دے رہے ہیں۔ درخواست کی ذرا بلند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آواز میں اُس شخص کا نام بتا دیجیے اور آپ نے بلا تامّل فرمایا: "وہ محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدّین ہیں ۔ دہلی میں اس وقت ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں ۔"

بادشاہ نے حیران ہو کر کہا: "ابھی تو آپ نے فرمایا تھا، سب سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے پہلے ہم سے ملاقی ہوا؟" آپ نے فرمایا "سب سے پہلے حضرت خواجہ صاحب ہی ملے تھے، اس لیے ہم نے انہی کے بارے میں بات کہی تھی ۔

ظاہر ہے یہ جواب سُن کر بادشاہ شرمندہ ہوا ہو گا اور اُسے غصّہ بھی آیا ہو گا کہ جس شخص کو وہ ناپسندیدہ قرار دے چکا ہے آپ دہلی کا سب سے اچھا باشندہ قرار دے رہے ہیں اور آپ کو بادشاہ کی اس ذہنی کیفیت کا پُوری طرح علم بھی ہو گا، لیکن آپ نے اس کی متوقع ناراضگی کی ذرا پروا نہ کی ۔

آپ کی بے خوفی اور حق گوئی کا ایک واقعہ ہے جس کا تعلق کشلو خاں کی بغاوت اور ملتان کے قتلِ عام سے ہے ۔ یہ پورا واقعہ تاریخ کی کُتب میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے، مختصر الفاظ میں یوں ہے کہ ملتان کے حاکم کشلو خاں نے سلطان محمد تغلق کے خلاف بغاوت کی، تو کشلو خاں پر قابو حاصل کر کے سلطان نے قتلِ عام کا حُکم دے دیا اور ملتان کے باشندوں پر گویا خدا کا قہر ٹوٹ پڑا ۔ ہر طرف خُون کی ندیاں بہنے لگیں ۔ لوگوں نے حضرت قطب الاقطاب کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی ۔ آپ گوشہ نشینی اختیار فرما چکے تھے، لیکن شہریوں کی مصیبت سے آگاہ ہو کر اسی وقت سلطان کے پاس تشریف لے گئے اور نہایت جرأت سے اُسے یہ بات سمجھائی کہ اس طرح خلقِ خدا کا خون بہانا کسی طرح بھی روا نہیں ۔ اور اگرچہ وہ بہت زیادہ مشتعل تھا اور اپنے طور پر یہ فیصلہ کیے ہوئے تھا کہ جو شخص اس بارے میں سفارشی بن کر آئے گا اُسے بھی زندہ نہ چھوڑوں گا، لیکن آپ کی بات نہ ٹال سکا ۔ تلوار نیام میں ڈال کر قتلِ عام بند کرنے کا حُکم جاری کر دیا ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت کا وصال :

محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت امیر خسروؒ کا انتقال ۲۵ء ھ میں ہوا۔ اس وقت حضرت قطب الاقطابؒ دہلی ہی میں تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی نماز جنازہ آپ ہی نے پڑھائی۔ اس کے بعد آپ نے سندھ کا مختصر تبلیغی دورہ فرمایا۔ وہاں حضرت لعل شہباز قلندرؒ، شیخ ریحانؒ اور مریدِ خاص شیخ بوسنؒ کے فرزندوں سے ملاقی ہوئے اور پھر ملتان تشریف لاکر گوشہ نشین ہو گئے۔ اب عمر شریف چھیاسی سال ہو چکی تھی۔ آخری دس سال اس طرح بسر ہوئے کہ خاص مریدوں اور ہم عصر بزرگوں سے ملاقات فرماتے تھے اور تبلیغِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کے کاموں پر بھی کسی نہ کسی حد تک توجہ صرف فرماتے، لیکن زیادہ وقت ذکر اذکار اور یادِ خدا میں بسر ہوتا تھا۔ وفات سے تین ماہ پہلے اس طرح خلوت نشین ہو گئے کہ صرف مولانا ظہیر الدین کو حجرے میں داخل ہونے کی اجازت تھی۔

۷، رجمادی الاوّل ۳۵ء ھ کے دن عصر کے وقت مولانا ظہیر الدین کو اپنی تجہیز و تکفین کے اہتمام کا حکم دیا۔ اس وقت صحت معمول کے مطابق نظر آتی تھی۔ مولانا نے بہت ادب سے ایسے اہتمام کو غیر ضروری بتایا، لیکن آپ نے مکرر تاکید فرمائی۔ اسی حالت میں مغرب کی نماز ادا کی اور فرض نماز کے بعد اوابین کی نفلیں ادا کر رہے تھے کہ نماز کی حالت ہی میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجعون

حضرت کا روضہ :

وصال کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت بہاء الدین زکریاؒ یعنی آپ کے دادا صاحب کے مقبرے میں آسودۂ لحد کیا گیا، آپ کی قبر حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پائنتی کی طرف بنائی گئی۔ آپ نے یہی جگہ پسند کی تھی، لیکن تدفین کے کچھ ہی عرصے بعد حضرت صدر الدّین محمدؒ نے خواب میں حضرت بہاءالدین زکریا کو دیکھا۔ انہوں نے کہا تم لوگوں نے قطب الاقطاب کو ہماری پائنتی دفن کر دیا' اس سے ہمیں تکلیف پہنچ رہی ہے۔ ان کی میّت کا صندوق وہاں سے نکال کر کسی اور موزوں جگہ دفن کرو۔

حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ کی اس ہدایت پر عمل کرنا ضروری تھا۔ اتفاق سے انہی دنوں سلطان فیروز شاہ تغلق واردِ ملتان ہوا۔ اس سے خواب کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اس عظیم الشّان مقبرے میں دفن کرنے کی اجازت دے دی جو سلطان غیاث الدّین تغلق نے اپنے لیے بہت اہتمام سے بنوا دیا تھا، لیکن زمانے کے حالات کے باعث اس کی میّت اس مقبرے میں دفن نہ کی جا سکی تھی۔ آپ کی میّت کو اس مقبرے میں منتقل کرنے کے بارے میں پہلے بھی غور کیا گیا تھا، لیکن اس خیال سے یہ تجویز ردّ کر دی گئی تھی کہ شاہی عمارتوں پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کے جائز ناجائز ہونے کے بارے میں یقین سے فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ فیروز شاہ تغلق نے یقین دلایا کہ خود سلطان غیاث الدّین نے یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ اس کے مقبرے پر صرف اس کی خاص جاگیر کی آمدنی کا روپیہ صرف کیا جائے، چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد کسی قسم کا شک باقی نہ رہا۔

شان و شکوہ اور طرزِ تعمیر کے لحاظ سے یہ مقبرہ بے مثال مانا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اسے تاج محل کی طرح دُنیا کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔ بہرحال اس بات میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ برِّصغیر کی قابلِ ذکر عمارتوں میں اس مقبرے کا درجہ بہت ممتاز ہے۔

گردشِ حالات کے باعث اگرچہ اس مقبرے پر کئی حادثے گزرے، لیکن اس کی عظمت اور خوشنمائی میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں آیا کہ گنبد کا جھکاؤ کسی قدر ایک طرف کو ہو گیا ہے۔ جن حادثوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے ایک تو ۹۳۲ھ میں اس وقت گزرا جب حسن شاہ راغون نے ملتان فتح کیا اور حکمران لنگاہ خاندان کے بہت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افراد قیمتی سامان لے کر مقبرے میں جا چھپے، حملہ آوروں نے ان لوگوں کو باہر نکالنے کے لیے تیل سے بھیگی ہوئی بوریاں جلا کر اندر پھینکیں جس سے لکڑی کی جالیوں وغیرہ کو کسی قدر نقصان پہنچا، لیکن مقبرہ تباہ ہونے سے محفوظ رہا۔

دوسرا حادثہ انگریزوں کی گولہ باری کی شکل میں پیش آیا۔ انگریزی فوج کی توپوں کی گولہ باری سے مقبرے کو تو زیادہ نقصان نہ پہنچا، لیکن مغل شہنشاہ حضرت اورنگزیب عالمگیر کی تعمیر کردہ وہ مسجد شہید ہو گئی جو اس عظیم عمارت کے حُسن کی تکمیل کرتی تھی۔ اب جو مسجد اس نقصان کی تلافی کر رہی ہے وہ بھونگ ضلع ڈیرہ غازی خان کے مخیر رئیس سردار غازی محمد خاں نے کثیر رقم خرچ کر کے بنوائی ہے۔

غور کیا جائے تو حضرت قطب الاقطاب شاہ رُکنِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی عظمت اور مقبول بارگاہ ہونے کا ایک ثبوت آپ کا یہ مقبرہ بھی ہے۔ ایک باجبروت شہنشاہ نے اسے اس اعتماد کے ساتھ تعمیر کرایا تھا کہ اس کا عظیم گنبد اور دلکش محرابیں لوگوں کے دلوں میں اس کی یاد تازہ کرتی رہیں گی، لیکن اس میں جگہ ایک درویش کو ملی اور یہ اس کے نام سے کچھ اس طرح منسوب ہو گیا کہ جب تک تاریخ کے ورق پلٹ کر اس بات کا سُراغ نہ لگایا جائے کسی کو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ اس کا بانی سلطان ہند غیاث الدّین تغلق ہے۔

سچ ہے جو لوگ خدا کے لیے خود کو مٹا دیتے ہیں، رب العالمین انہیں زندۂ جاوید کر دیتا ہے۔ یوں کہ ان کی قبروں سے بھی نیکیوں کی خوشبو پھوٹتی رہتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُلّا عبدالقادر بدایونیؒ

منتخب التواریخ کے مصنّف مُلّا عبدالقادر بدایونی اسلام کے ان نامور فرزندوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی قابلیت، ذہانت اور محنت سے بلند مراتب حاصل کیے اور حُسنِ کردار کے نہایت ہی دلکش نقوش اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ اگرچہ ان کی اس تصنیف کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی روایات زیادہ مستند نہیں۔ مصنّف نے اپنے مُلّاپن کی تنگ نظری کے باعث مغل شہنشاہ جلال الدّین محمّد اکبر کے ترقّی پسندانہ خیالات کو سمجھے بغیر اسے بے دین اور ملحد قرار دے دیا ہے، بالخصوص مولانا محمّد حسین آزاد نے "دربارِ اکبری" میں ان پر کڑی تنقید کی ہے، لیکن اس اختلاف کے باوجود مُلّا صاحب کے علم و فضل، ذہانت، حق گوئی، بے غرضی اور معاملہ فہمی کے سبھی قائل ہیں اور بلا شبہ یہ وہ صفات ہیں جو کسی ایک شخص میں کم ہی جمع ہوتی ہیں اور جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو موصوف کو وقت کا عبقری بنا دیتی ہیں، چنانچہ اپنی گوناگوں صفات کے باعث مُلّا بدایونی اس بلند مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔

وہ ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو علم و فضل کے اعتبار سے ضرور رفیع تھا، لیکن دنیاوی وجاہتوں میں سے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اس خاندان کا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرزند گوشۂ گمنامی سے اُٹھا اور اکبر جیسے ذہین اور جوہر شناس شہنشاہ کے دربار کا ایک اہم رُکن بن گیا اور نہ صرف رُکن بن گیا، بلکہ اپنے مسلک اور مقام پر قائم رہتے ہوئے مغلِ اعظم کی نظروں میں وقیع و محترم رہا۔

شہنشاہ اکبر اور اس کے ایجاد کردہ مذہب دینِ الٰہی اکبر شاہی کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے اگر اُسے کسی قدر مبالغے پر بھی محمول کیا جائے، پھر بھی یہ بات تو تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اس نے اپنے دنیاوی اختیارات کو دینی حدُود تک بڑھا دیا تھا اور شاہی دربار میں وہی لوگ سرفراز رہ سکتے تھے جو اس کے اشارہ چشم و ابرو پر نگاہ رکھتے تھے اور منشا کے تابع رہ کر زندگی گذارتے تھے، یُوں بھی شخصی حکومتوں میں حاکم وقت کو ایسی حیثیت حاصل ہوتی تھی کہ متوسلین اُسے عقل کُل ماننے پر مجبور ہوتے تھے، حُکم حاکم مرگِ مفاجات کا عقیدہ ہی زیادہ رواج پاتا تھا، لیکن مُلّا عبدالقادر اس صف کے لوگوں میں بالکل الگ چہرے مہرے کے شخص نظر آتے ہیں۔ وہ شاہی دربار سے وابستہ ہیں، لیکن شہنشاہ کی منشا کے صد فیصد تابع نہیں۔ اختلاف کا کوئی پہلو پیدا ہوتا ہے تو نہایت خوبصورتی سے اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور اگر احکام کی بجا آوری ممکن معلوم نہیں ہوتی تو صاف انکار بھی کر جاتے ہیں۔

ایک ایسے شہنشاہ کے دربار میں جسے ہر قسم کے دنیاوی اختیارات حاصل ہیں اور خوشامدیوں اور گمراہ لوگوں نے جسے درجہ مجددیت پر بھی فائز کر دیا ہے، اس انداز سے زندگی گزارنا یقیناً محالات سے تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بدایوں کا یہ مُلّا بڑے ٹھسے کے ساتھ اکبری دربار سے وابستہ رہا۔ بیشک اس نے دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر باندھنے والی بات کبھی نہیں کی، لیکن کبھی ایسا بھی نہیں ہوا کہ کوئی غلط بات زیرِ بحث آئی ہو اور دوسروں کی طرح محض اپنے آقا کو خوش کرنے کے لیے اس کی تائید کر دی ہو۔ خاص طور سے دینِ اسلام کی حفاظت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مدافعت کے سلسلے میں تو مُلّا عبدالقادر بدایونی کا کردار بہت ہی بلند و بالا نظر آتا ہے۔ انہوں نے نہ کبھی دین الٰہی کو دین مانا اور نہ کبھی کسی ایسے کام میں شریک ہوئے جو ان کے مسلک کے خلاف تھا۔ حد یہ ہے کہ اکبر کو سجدۂ تعظیمی تک کرنے سے انکار کیا۔ یاد رہے یہ وہی "جرم" ہے جس کی پاداش میں حضرت شیخ احمد سرہندی، مجدّد الف ثانی کو جہانگیر کے زمانے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑی تھیں۔

مولانا محمد حسین آزاد نے دربارِ اکبری میں ایک بہت دلچسپ حکایت لکھی ہے۔ بیان کرتے ہیں:

"ایک دن حکیم ہمام نے معجم البلدان کہ ۲۰۰ جز کی ضخامت ہو گی بڑی تعریف سے پیش کی اور کہا کہ یہ عربی ہے، فارسی میں ترجمہ ہو جائے تو بہت خوب ہے۔ اس میں بہت حکایات عجیب و فوائد غریب ہیں۔ ملّا احمد ٹھٹھہ، قاسم بیگ، شیخ منوّر وغیرہ دس بارہ اشخاص ایرانی اور ہندی جمع کر کے جُز تقسیم کر دیے گئے۔ مترجموں کے آرام کے لیے فتح پور کے پرانے دیوان خانے میں مکتب خانہ تھا۔ مُلّا صاحب کے حصّے میں دس جُز آئے، ایک مہینے میں تیار کر دیے۔ سب سے پہلے گزرانے اور اس حُسنِ خدمت کو رخصت کا وسیلہ کیا کہ قبول ہوئی۔ اگرچہ ان کی قابلیت اور کارگزاری ہمیشہ اکبر کی جوہر شناسی کو مرحمت کے راستے پر کھینچ لاتی تھی مگر دونوں کے خیالات کا اختلاف بیچ میں خاک اڑا کر کام خراب کر دیتا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں (ملّا صاحب) کہ بڑے تامّل سے پانچ ماہ کی اجازت ہوئی۔ رُخصت کے وقت خواجہ نظام الدین نے عرض کیا کہ ان کی ماں مر گئی ہے عیال کی تسلّی اور تسکین کے لیے جانا ضروری ہے۔ رخصت دی، مگر ناراضی کے ساتھ۔ سلام کے وقت صدر جہاں نے کہا: "سجدہ بکن"،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مجھ سے ادا نہ ہوا۔ فرمایا جانے دو، بلکہ رنجیدگی کے سبب کچھ دیا بھی نہیں"۔

(دربار اکبری۔ صفحہ ۵۵۹)

صرف اسی ایک واقعے سے زمانے کے دستور کے رنگ اور مُلّا صاحب کی جرأتِ ایمانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس دربار میں جہاں شہنشاہ کی خوشنودی سونے کو کندن بنا دیتی تھی اور اہلِ غرض اور سب باتوں سے زیادہ اسی پر نگاہ رکھتے تھے وہ توجہ دلانے کے باوجود اور شہنشاہ کی موجودگی میں سجدہ نہیں کرتے۔ یقیناً یہ جرأت ایمانی کا بہت بڑا مظاہرہ تھا۔

اس واقعے سے جہاں مُلّا صاحب کی پختہ ایمانی اور بے خوفی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں اس طرف بھی دھیان جاتا ہے کہ جب صورتِ حال یہ تھی تو اکبر اُن سے لازمی طور پر کبیدہ خاطر رہتا ہوگا، لیکن مخالفوں کی لکھی ہوئی تاریخوں میں بھی ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ شہنشاہ نے انہیں بے مصرف قرار دے کر ملازمت سے الگ کرنا چاہا ہو، بلکہ اس کے مقابلے میں یہ تاثر کئی بار جھلکتا ہے کہ وہ رسّا تڑا کر بھاگنا چاہتے ہیں اور شہنشاہ ان کی جدائی گوارا نہیں کرتا۔

سب جانتے ہیں اکبر کے دربار میں دنیا بھر کے عالم فاضل اکٹھے ہو گئے تھے، ان کے دامنِ دولت سے صرف نورتن ہی وابستہ نہ تھے۔

بلکہ نو صد ہندو رتن وابستہ تھے۔ ایسی صورت میں بھی اگر بدایونی کے ناز نخرے برداشت کیے جاتے تھے، تو اس کی وجہ ان کی غیر معمولی صلاحیتیں ہی تھیں کہ تبحر علمی کے علاوہ اُن کی ذات میں سب سے بڑی خوبی یہ نظر آتی ہے کہ خیالات اور عمل میں گہری ہم آہنگی اور غایت درجے کا اعتدال تھا۔ ان کا ذکر ایک متشدد مُلّا کے طور پر کیا جاتا ہے، لیکن ان کے حالات و واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کسی معاملے میں بھی انتہا پسند نہ تھے۔ اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین میں تو وہ ضرور سخت رویہ رکھتے تھے اور بے اعتدال لوگوں سے اکثر نوک جھونک رہتی تھی۔ اس کے علاوہ عام کاروبارِ حیات میں وہ ایک شگفتہ مزاج اور تازہ دم شخص نظر آتے ہیں۔ ان کی ہمہ گیری کا یہ حال ہے کہ قلم کے ساتھ تلوار سے بھی گہرا رابطہ ہے اور خوش الحانی سے قرآن کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری اور دیگر مادی علوم میں بھی اپنے کامل ہونے کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

خاندان :

ملا صاحب کے والد ملوک شاہ بن حامد شاہ بدایوں کے شرفاء میں سے تھے۔ دادا کے بعد خاندان کے کسی اور بزرگ کا نام معلوم نہیں ہوتا، صرف اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ اوپر جا کر سلسلۂ نسب حضرت عمرؓ سے مل جاتا ہے۔

خانوادۂ فاروقی کے جو بزرگ سب سے پہلے سندھ میں آباد ہوتے ان کا نام حضرت مالک بن یحییٰ ہے۔ پھر کئی شاخیں ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں اور اپنے اپنے حالات کے مطابق الگ الگ علاقوں میں سکونت اختیار کر لی۔ قیاس کہتا ہے کہ انہی بزرگوں میں سے کوئی صاحب بدایوں آئے اور مستقل طور پر یہیں آباد ہو گئے۔

اس ہجرت کا عام سبب تبلیغی مہمات اور جذبۂ جہاد تھا۔ کچھ حضرات تو مسلمان فاتحین کے لشکروں میں شامل ہو کر سندھ سے پنجاب اور پنجاب سے دہلی اور آگرہ ہوتے ہوئے بہار، بنگال اور دکن کی طرف نکل گئے اور انہوں نے ان مرکزوں میں قیام کیا جو ملک کے مختلف حصوں میں قائم تھے۔ ملا صاحب کے جدِ اعلیٰ کے بارے میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں یہاں آئے اور یہیں رہ پڑے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"سیر الاولیاء" کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر شریف کے علاوہ بدایوں، ناگور، قنوج، بہرائچ اور بہار کے بعض شہروں میں اپنے خلفاء مقرر کیے تھے۔ خاص بدایوں مغلوں کے زمانے تک ایک اہم دینی اور تبلیغی مرکز رہا اور اس کی خاک سے بہت سی نامور ہستیاں اٹھیں جن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی شامل ہے۔ یہ قصبہ یوپی بھارت کے مشہور شہر بریلی سے ۲۷ میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ قدیم زمانے میں اسے فوجی نقطۂ نظر سے بھی بہت اہمیت حاصل تھی۔ قطب الدین ایبک نے اس کا قلعہ فتح کر کے وسط شہر میں ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی تھی جو اب بھی آس پاس کے پورے علاقے میں سب سے زیادہ خوبصورت اور پائیدار خیال کی جاتی ہے۔ تاریخ میں اس قصبے کا ذکر ۵۹۹ھ سے برابر ملتا ہے۔ آبادی کے گرد و نواح میں شہداء، علماء اور صوفیاء کے بکثرت مزارات ہیں۔ (حاشیہ منتخب التواریخ)

پیدائش :

مُلّا عبد القادر عرف عام میں بدایونی کہلاتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ زیادہ عرصہ وہ اسی قصبے میں رہائش پذیر رہے، ورنہ ان کی جائے پیدائش ٹونڈہ یا ٹونڈہ بھیم نامی ایک اور بستی ہے جو آگرے سے اجمیر کی طرف جاتے ہوئے چھٹی منزل پر آباد تھی۔ ان کے نانا مخدوم اشرف بیانہ نام کی بستی میں رہتے تھے اور ایک پنج ہزاری امیر فرید تارن کے لشکر میں ملازم تھے۔

دربار اکبری کی روایت کے مطابق مُلّا صاحب کی تاریخ پیدائش ۷، ربیع الثانی ۹۴۷ھ ہے۔ بچپن کا زیادہ زمانہ انہوں نے بساور نامی ایک اور بستی میں گزارا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے والد صاحب کسی وجہ سے ٹونڈہ بھیم سے بساور منتقل ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیم :

مُلّا عبدالقادر بدایونی اپنے زمانے کے فاضل ترین لوگوں میں سے تھے۔ عربی اور فارسی کے علاوہ انہوں نے سنسکرت زبان بھی پڑھی تھی اور اس میں سندِ فضیلت رکھتے تھے۔ تعلیم کی ابتداء انہوں نے اپنے والد صاحب سے کی۔ اس کے بعد صرف و نحو کی کتابیں اپنے نانا سے پڑھیں۔ ۱۲ سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ساتھ سنبھل آ گئے۔ یہاں سیّد محمّد مکّی سے قرآن مجید اور فقہ کی کتابیں شیخ محمد حاتم سنبھلی سے پڑھتے رہے۔ ۹۶۶ھ میں آگرے آ گئے اور یہاں مرزا سمرقندی، میر سیّد مجدد الدّین اور ابوالفضل اور فیضی کے والد شیخ مبارک سے دیگر علوم حاصل کیے۔ قرأت میں دست گاہ کامل رکھتے تھے اور بہت خوش الحان تھے۔ شیخ سعد اللہ نحوی سے فن تاریخ گوئی سیکھا اور اس میں کمال حاصل کیا۔

ملازمت :

۹۶۹ھ میں والد اور ۹۷۰ھ میں نانا کا انتقال ہو گیا تو فکرِ معاش میں آگرے کا رُخ کیا۔ یہاں ایک امیر مہر علی بیگ کے ہاں مقیم ہوتے جو خان خاناں کی سرکار سے وابستہ تھا اور غالباً اسی کی سفارش سے حسین خاں افغان کے ہاں جگہ مل گئی۔ مُلّا صاحب نے خود اعتراف کیا ہے کہ یہ رئیس بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ دیندار، معاملہ فہم اور انسان دوست۔ اُس نے اپنی جاگیر کا انتظام ان کے سپرد کر دیا اور بہت مروت اور اخلاص کا برتاؤ کیا۔ یہ سلسلہ آٹھ سال تک باقی رہا، لیکن پھر کسی بات پر اختلاف پیدا ہو گیا اور مُلّا صاحب استعفیٰ دے کر گھر آ گئے۔ ۹۸۱ھ میں ایک امیر جمال خاں قورچی کی اعانت سے دربارِ اکبری میں رسائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہوئی اور اپنی خوش الحانی اور علمِ قرأت میں کمال کے باعث شاہی امام مقرر ہو گئے۔ اس زمانے میں اکبر پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرتا تھا اور مُلّا صاحب سمیت امامت کے منصب پر چھ عالم پہلے سے مامور تھے، ساتویں یہ مقرر ہوئے۔

ترقیٔ درجات:

مُلّا صاحب کو اللہ پاک نے اپنی خاص رحمت سے بہت سی صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ وہ معقولات اور منقولات کے فاضل، عربی اور فارسی کے بلند پایہ انشاپرداز، نجوم اور حساب وغیرہ علوم کے ماہر اور راگ راگنیوں کے فن سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ حاضر جواب، حاضر دماغ اور بذلہ سنج ایسے کہ بڑے بڑوں کے ہونٹوں پر قفل ڈال دیتے تھے، چنانچہ کچھ ہی دنوں میں شہنشاہ پر اُن کی یہ خوبیاں عیاں ہو گئیں اور اُس نے تصنیف و تالیف اور ترجمے کی خدمت پر مامور کر کے خاص اپنے دامن سے وابستہ کر لیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالفضل اور فیضی بھی انہی دنوں شاہی ملازمت میں آئے تھے اور ذاتی خوبیوں کے اعتبار سے مُلّا صاحب سے کچھ زیادہ نمایاں نہ تھے، لیکن بدایونی اور ان میں یہ فرق بہت واضح تھا کہ وہ شروع ہی سے موقع شناس اور جاہ طلب تھے اور یہ قناعت پسند اور دُنیا پر دین کو ترجیح دینے والے۔ اگرچہ ابھی اکبر کے مزاج میں کسی قسم کی بے اعتدالی پیدا نہ ہوئی تھی اور وہ ایک دیندار حُکمران کی زندگی گزار رہا تھا، لیکن مُلّا صاحب اُس زمانے میں بھی اس کے قرب پر دُوری کو ترجیح دیتے تھے۔ منتخب التواریخ میں اس زمانے کا ایک خاص واقعہ وضاحت سے لکھا ہے جس سے ان کی قناعت پسندی اور شان و شوکت سے تنفّر کا رجحان بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"انہی دنوں بادشاہ نے مجھے امامت کی خدمت سپرد کی اور کچھ خرچ دے کر فرمایا:
بیستی عہدے کے مطابق تم بھی بیس گھوڑوں کو داغ کرا لو (جو گھوڑے فوجی خدمت کے مخصوص کیے جاتے تھے ان کو داغا جاتا تھا) اسی زمانے میں شیخ ابوالفضل بھی دربار میں پہنچا تھا اور جیسا کہ شبلیؒ نے جنیدؒ کے بارے میں کہا تھا کہ ہم دونوں ایک ہی تنور سے نکلے ہیں۔ میرا اور ابوالفضل کا معاملہ یکساں ہی تھا، لیکن وہ نہایت ہوشیار اور زمانہ ساز آدمی تھا۔ اس کو بھی بادشاہ نے بیستی کے عہدے کے لیے کہا تو اُس نے فوراً ہی گھوڑے داغ کرا لیے۔ اپنی ملازمت مضبوط کر لی اور ترقی کرتے کرتے دو ہزار کے عہدے اور وزارت تک جا پہنچا۔ اس کے برعکس مَیں نے ناتجربہ کاری اور سادہ لوحی کی وجہ سے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔

میں بس اسی خام خیالی میں رہا کہ بجائے ملازمت کے اگر بادشاہ مددِ معاش کے لیے کوئی اراضی وغیرہ مرحمت فرما دیں تو گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر آزادی کے ساتھ علمی خدمات میں مصروف رہوں گا، کیونکہ قناعت اور توکل سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی اور پونجی نہیں۔ ؎

جاہِ دنیا طلب و دولت فانی بگذار
جاہ دیں بس بود و دولت اسلام ترا

مُلّا صاحب کی اس عبارت سے بے شک حسرت کا پہلو بھی ظاہر ہوتا ہے، وہ متاسف نظر آتے ہیں کہ گھوڑے داغ کرا کے کیوں نہ شاہی ملازموں کے اس زمرے میں شامل ہو گئے جن کے سامنے ترقی کی راہیں کھلی پڑی تھیں، لیکن ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"

ہی یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ان کی نظروں میں قناعت اور علمی خدمات کی بہت قدر و منزلت تھی۔ طبعاً وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو حصولِ جاہ و منصب کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیتے ہیں۔

علمی و ادبی خدمات :

مُلّا صاحب نے بادشاہ کی پیش کش قبول نہ کی تو قاضی علی کی سفارش پر مددِ معاش کے طور پر ایک ہزار بیگہ اراضی ان کے نام کر دی گئی اور سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کا کام ان کے سپرد کیا گیا۔ اکبر اگرچہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا لیکن اس کا علمی ذوق کسی بہت پڑھے لکھے شخص سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ فوجی مہمات اور مملکت کے انتظام و انصرام کے کاموں سے جو وقت بچتا تھا اس کا زیادہ حصہ علماء و صلحاء کی ہم نشینی میں گزرتا تھا اور ایک روشن خیال حکمران کی طرح اپنے آبائی دین اسلام اور دیگر ادیان کے بارے میں بالکل صحیح صحیح باتیں جاننے کی خواہش اسے بے قرار رکھتی تھی۔

اکبر کے سب سے بڑے نقاد مُلّا بدایونی نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ ابتدائی زمانے میں اس مغل شہنشاہ کے دل میں اپنے دین کا بہت احترام تھا اور وہ حتی الامکان اس کے اصولوں پر عمل بھی کرتا تھا، لیکن بدقسمتی سے حادثہ یہ پیش آیا کہ اس کے دامن دولت سے جو علماء وابستہ ہوئے ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو اُس روشن خیالی سے اس پر اپنے دین کی صداقت آشکار کر سکتا۔ اول تو یہ لوگ دُنیا کمانے کے لیے ہی دربار سے وابستہ ہوئے تھے اور اگر ان میں کوئی صحیح معنوں میں دیندار بھی تھا، تو اپنے زعمِ علمی اور غرورِ تقویٰ میں ایسے مست تھے کہ دین کے معاملات میں اپنے عقائد کو حرفِ آخر خیال کرتے تھے۔ یہ لوگ فرقہ وارانہ مسائل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اُلجھ کر فضا خراب کرتے رہتے تھے اور فیصلوں کو بے چون وچرا منوانے پر بضد رہتے تھے۔ اس سے بادشاہ کے دل میں تکدر پیدا ہوتا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے:

"بادشاہ کے اکثر اوقات عبادت خانے میں علماء کی صحبت میں گزرتے تھے خاص طور سے جمعہ کی راتیں شب بیداری میں گزرتی تھیں اور دینی مسائل کی تحقیق اور اصول و فروع کی بحثیں گرم رہتی تھیں۔ ان مجلسوں میں علماء کی زبانیں ایک دوسرے کے مقابلے میں تلواروں کی طرح خوب ہی اپنے جوہر دکھاتی تھیں۔ مذہب و مسلک کے اختلاف اس قدر شدید ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کی تکفیر دھڑلے سے کی جانے لگی تھی۔ سُنی، شعیہ، حنفی، شافعی، فقیہ، حکیم کے موازنے و مقابلے سے گزر کر اصول و مہماتِ دین پر بھی زبانوں کی چھریاں بے باکی سے چلتی تھیں۔"

(منتخب التواریخ صہ ۲۶۵)

اس سلسلے میں مُلّا صاحب نے ایک اور دلچسپ واقعہ لکھا ہے جس سے نہ صرف بادشاہ کے ذہن پر چھائی ہوئی بیزاری اور نفرت ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خود وہ بھی ان حضرات کی ایسی حرکات سے بہت بیزار تھے۔ لکھتے ہیں:

"ایک رات علماء کی مجلس میں بڑا ہنگامہ بپا ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر بحث کرنے لگے۔ ان کے شور و غل سے برہم ہو کر بادشاہ نے مجھ سے کہا: اس کے بعد جو شخص بھی ناشائستہ بات کرے اس کی اطلاع مجھے دینا، مَیں اسے مجلس سے اُٹھا دوں گا۔"

یہ سُن کر مَیں نے آصف سے سرگوشی کے انداز میں کہا "اس طرح تو تقریباً سبھی کو اٹھانا پڑے گا۔" اکبر نے مجھے یہ بات کہتے ہوتے دیکھ لیا۔ پوچھا "کیا کہتے ہو؟" مَیں نے جو کچھ کہا تھا دوہرا دیا، سُن کر بہت خوش ہوا اور اپنے مصاحبوں کو بھی یہ بات سنائی۔" (منتخب التواریخ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے خراب ماحول میں یہ بات ایک طرح لازمی تھی کہ بادشاہ کے دل میں ان عالم فاضل لوگوں کی وقعت کم اور انہیں متعصب اور تاریک خیال قرار دینے والوں کا رُتبہ زیادہ ہوتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سیدھا سادہ سپاہی منش بادشاہ جس نے علمی تشنگی بجھانے اور اپنے مذہب کو پوری طرح سمجھنے کے لیے عبادت خانہ تعمیر کر دیا تھا اور سخت گیر علماء سے دُور اور ان کے مخالفوں کے قریب ہوتا چلا گیا۔

اس سلسلے میں سب سے اہم کردار مُلّا مبارک اور اس کے بیٹوں، ابوالفضل اور فیضی، نے ادا کیا۔ یہ باپ بیٹے حد درجہ ذہین اور مروّجہ علوم میں کامل تھے اور اس دربار میں وابستہ ہی دُنیا کمانے کی غرض سے ہوئے تھے۔ بادشاہ کو دین کے محافظوں سے برگشتہ پایا، تو اس کے سامنے اپنے ملحدانہ افکار و نظریات کی بساط پھیلا دی اور اپنی فصاحت و بلاغت کی قوت سے کچھ ایسا مسحور کیا کہ اسے دینِ اسلام کے مخالفوں کی ہر بات معقول لگنے لگی۔ حتّٰی کہ خود مجتہدِ دوراں اور امامِ وقت بن کر ایک نیا دین اختراع کرنے کے خبط میں مبتلا ہو گیا۔

مُلّا عبدالقادر نے یہ دردناک داستان بہت تفصیل سے لکھی ہے اور دراصل انہی واقعات کی وجہ سے اُن کی کتاب "منتخب التواریخ" کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ جن حضرات نے بھی "دینِ الٰہی اکبر شاہی" پر قلم اٹھایا ہے ان کا مآخذ یہی کتاب ہے۔

جیسا کہ پچھلی سطور میں لکھا گیا نماز کی امامت کے بعد مُلّا صاحب کا تقرر درباری مترجم کے عہدے پر ہوا تھا، چنانچہ بادشاہ کے حکم سے انہوں نے سنسکرت اور عربی زبان کی کئی کتابوں کے ترجمے کیے۔ ہندوؤں کا چوتھا بید، اتھربن، راج ترنگنی، مہابھارت اور سنگھاسن بتیسی وغیرہ اس سلسلے کی خاص کتابیں ہیں، لیکن جس کتاب نے انہیں شہرتِ دوام بخشی وہ "منتخب التواریخ" ہی ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب انہوں نے بادشاہ سے چھپا کر رکھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مُلّا صاحب نے اپنی اولاد کو تاکید کر دی تھی کہ جب تک وہ زندہ رہیں اس کتاب کا کسی سے ذکر بھی نہ کریں۔ اس وصیت کے مطابق ان کے بیٹوں نے نورالدین جہانگیر کے زمانے میں اسے شائع کیا اور جیسے ہی اس کا ذکر زبانوں پر آیا جہانگیر نے مُلّا صاحب کا گھر لوٹ لینے اور ان کے بیٹوں کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ وہ تو خیریت گزری کہ مُلّا زادوں کا یہ عذر معقول سمجھا گیا کہ کتاب کی تصنیف اور اس کے مندرجات سے ان کا کچھ بھی تعلق نہیں، جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی وہ کم سن لڑکے تھے۔

دین الٰہی کی اہم باتیں :

جیسا کہ عرض کیا گیا اکثر مؤرخین نے "منتخب التواریخ" کے مصنف کو متشدد مُلّا گردان کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس نے اکبر کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی حیثیت الزام تراشی سے زیادہ نہیں، لیکن اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے صاف طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے قلم سے یہ عبارتیں لکھی گئی ہیں وہ شاہ دشمنی کے مرض میں مبتلا نہیں بلکہ اپنے دین کی محبت سے بے چین ہو کر حقائق سے پردہ اُٹھا رہا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مُلّا صاحب نے ایک منصف مزاج شخص کی طرح اس بگاڑ کے اصل اسباب بھی بیان کیے ہیں اور دین کے ان ٹھیکیداروں کے بارے میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے جو بات بات پر کُفر کے فتوے جاری کرتے رہتے تھے اور محض دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے غیر مہذب لوگوں کی طرح آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ یہ ساری داستان لکھنے کے بعد وہ آگے بڑھتے ہیں اور اکبر کے ان عقائد کا ذکر درمیان میں لاتے ہیں جو اس نے اختیار کر لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے اور یہ حالات بیان کرتے ہوئے بھی حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے۔ اچھا کام دیکھتے ہیں تو بادشاہ کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ یقیناً مُلّا صاحب کی یہ بہت بڑی عظمت ہے کہ انہوں نے دنیاوی فوائد سے بے نیاز ہو کر آئندہ نسلوں کو اپنے زمانے کے بالکل ٹھیک ٹھیک حالات سے آگاہ کر دیا اور ان کی اس کاوش سے آنے والے لوگ اس قابل ہو گئے کہ عبرت کے اس آئینے میں اپنی شکلیں دیکھ کر اصلاحِ احوال کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ اگر درباری مؤرخوں کی تحریر ہی ہم تک پہنچتی، تو یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب نگاہوں سے اوجھل رہتا اور شاید یہ موقع ہی پیدا نہ ہوتا کہ ہم سنبھالا لے کر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

یہ سیکولرزم جس کا ان دنوں بہت چرچا ہے اور جسے اکثر لوگ اپنے مہذب، بالغ نظر اور روشن خیال ہونے کی علامت خیال کرتے ہیں ہندوستان میں سب سے پہلے مغلِ اعظم اکبر کے دربار ہی میں تولد ہوا۔ اپنی سلطنت کو دوام بخشنے کے لیے اُسے یہ بات بہت وقیع اور ضروری معلوم ہوئی کہ اپنے مسلمان ہونے کی حیثیت کو کمزور کر کے خود کو ایک غیر متعصب اور روشن خیال حکمران ثابت کرے اور وحی و الہام کے ذریعوں سے ملے ہوئے ضابطۂ حیات کی بجائے اپنے معاملات عقل کی روشنی میں طے کرے۔ اس طرزِ عمل نے اسے غیر متعصب اور روشن خیال تو ضرور کہلوا دیا ہو گا، لیکن ساتھ ہی اس کا وہ تشخص اور دبدبہ بھی جاتا رہا جو اسے اور اس کے اجداد کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے حاصل ہوا تھا اور گویا یہ اس کی اسی روشن خیالی ہی کا خمیازہ تھا جو سلطنت کے زوال کی صورت میں اس کی اولاد کو بھگتنا پڑا۔ وہ تو درمیان میں شہاب الدین شاہجہان اور محی الدین اورنگ زیب دو حکمران بھی آ گئے جنہوں نے اپنے دین کی اہمیت کو پوری طرح سمجھا اور بے دینی کے اثرات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زائل کر کے مغل سلطنت کا مضبوط سہارا بن گئے۔ اگر یہ دو بادشاہ درمیان میں نہ آتے تو مغلوں کے ایوان ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے بے چراغ ہو جاتے۔

ایک بہادر، زیرک اور دیندار بادشاہ کے مقام سے گر کر اکبر کن پستیوں میں اُتر آیا تھا، یہ داستان بڑی ہی عبرت ناک اور درد انگیز ہے۔ بدایونی نے یہ احوال بڑی ہی دلسوزی سے لکھا ہے۔ جگہ جگہ احساس ہو رہا ہے کہ اُس کے قلم سے ندامت کے آنسو اور غصّے کے شرارے برس رہے ہیں۔ اس کا بیان ہے:

بادشاہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ حق ہر قوم اور مذہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔ وہ حشر نشر کے عقیدے کا قائل نہ رہا۔ اس نے آداگون کے نظریے کو درست مان لیا۔ اس نے یہ بات مان لی کہ آفتاب ہی مظہر کامل اور سرچشمہ خیر و سعادت ہے۔ آتش پرستوں کی تقلید میں اپنے محل میں ہر وقت آگ روشن رکھنے کا حکم دے دیا۔ شیخ مبارک اور اس کے زیرِ اثر دُنیا پرست علماء نے بادشاہ کو مجتہد کے منصب پر فائز کر دیا، بلکہ ایک لحاظ سے اس کا درجہ اس سے بھی بڑھا دیا۔ اس سلسلے میں جو محضر تیار کیا گیا اس میں یہ جملہ شامل تھا:

"سلطان عادل کا مرتبہ اللہ کے پاس مجتہد سے بڑھ کر ہے"

قرآن کو مخلوق قرار دے دیا گیا۔ وحی کو امر محال کہا جانے لگا۔ نبوت اور امامت کے بارے میں شکوک ظاہر کیے گئے۔ معجزوں اور کرامتوں کا انکار کیا گیا۔ قرآن مجید کے تواتر اور کلام الٰہی ہونے پر اعتراض کیا گیا۔ جزیہ منسوخ کر دیا گیا۔ درباری علماء نے بادشاہ کو یہ باور کرا دیا کہ اس عہد کے صاحب زماں خود حضور والا ہیں۔ آپ کا ظہور مسلمانوں اور ہندوؤں کے بہتّر فرقوں کو ختم کرنے کے لیے ہوا ہے۔ بادشاہ کے ساتھ اخلاص ثابت کرنے کے لیے ان چار باتوں کا اقرار ضروری قرار دیا گیا۔ ترک مال، ترک جان، ترک ناموس اور ترک دین۔ یہ اعلان کیا گیا کہ ہجرت سے اب تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہزار سال پورے ہو چکے ہیں، لہذا اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی مدت ختم ہو چکی ہے اور اب ضروری ہو گیا ہے کہ نئے دین کی ابتدا کر دی جائے۔ زمین بوسی کا نام دے کر بادشاہ کو سجدہ کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ جسمانی صحت کے لیے شراب پینے کی اجازت دے دی گئی بلکہ دربار کے دروازے پر شراب کی ایک دکان کھلوا دی گئی۔ شیطان پورہ کے نام سے ایک بستی بسائی گئی جس میں جسم فروش طوائفیں رہتی تھیں اور اپنا نام پتہ لکھا کر ہر شخص وہاں جا سکتا تھا۔ گائے ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ڈاڑھی منڈانے کا جواز پیدا کیا گیا۔ غسلِ جنابت کی فرضیت منسوخ کر دی گئی۔ سؤر اور کتے کو پاک بتایا گیا۔ مردوں کو سونا اور ریشم پہننے کی اجازت مل گئی۔ سن ہجری کے بجائے سن الٰہی جاری کیا گیا جو اکبر کی تخت نشینی سے شروع ہوتا تھا۔ حروف تہجی سے عربی حروف ث، ح، ع، ص، ض، ط، ظ نکال دیے گئے۔ عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی لکھنے کا حکم دیا گیا۔ بھرے دربار میں دین کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور اس میں غیر مسلم بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

جن علماء اور امراء نے اس رویّے سے بے زاری کا اظہار کیا اور بادشاہ کو ٹوکا انہیں معزول یا جلاوطن کر دیا گیا۔ بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ان حالات کا ذکر کرتے ہوئے مُلّا بدایونی بڑے دُکھ سے لکھتے ہیں:

"بادشاہ کی بداعتقادی دیکھ کر لوگوں کی جُراتیں بڑھ گئیں۔ اسلامی عقائد اور مسائل کا سرعام مضحکہ اڑایا جانے لگا۔ بدبخت ہندو اور ہندو مزاج مسلمان نبوت کے بارے میں زبان درازیاں کرنے لگے۔ علمائے سُو نے اپنی کتابوں میں نعت کے بجائے تبرا لکھنا شروع کر دیا۔ توحید کے بعد وہ حسبِ قاعدہ نعت کے بجائے بادشاہ کے القاب و آداب لکھتے۔" (منتخب التواریخ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حالات دیکھ کر خود مُلّا صاحب پر کیا گذری، اس کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"جب دربار کا یہ رنگ ہوا تو مَیں نے گوشۂ عزلت اختیار کر لیا۔ درباداری سے بڑی حد تک دُور ہی رہنے لگا۔ بادشاہ کی نظریں بھی مجھ سے پھر گئی تھیں اور غیریت کا پردہ درمیان میں آگیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مَیں اس حال میں خوش ہوں۔ مَیں اپنے آپ کو کسی رعایت کا مستحق سمجھتا ہوں نہ ان کی خدمت کے قابل"۔

صدق بیانی؛

مُلّا بدایونی نے اکبر اور اس کے دین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے سچ ہونے کی گواہی اس بات سے بھی ملتی ہے کہ ان کا عام رویّہ ایک سچے اور کھرے آدمی کا ہے۔ اسی کتاب میں انہوں نے اپنے بارے میں بھی بہت سی ایسی باتیں درج کر دی ہیں جو ایک عام اخلاق کا آدمی کبھی نہ لکھتا، مثال کے طور پر اپنی ایک لغزش اور اس کا نتیجہ بھگتنے کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ بیان کرتے ہیں:

اسی سال (۹۸۲ھ) مجھے ایک ہولناک واقعے سے دوچار ہونا پڑا۔ قصّہ یہ ہوا کہ محمد حسین کو جاگیر دی گئی تو مَیں بھی تقدیر کا مارا کچھ عرصہ اس کی ملازمت میں رہا۔ صوبے کی صدارت اور فقراء کی خدمت میرے سپرد تھی (غالباً اس زمانے میں وزیر اوقاف قسم کا کوئی عہدہ ہوگا) قنوج کے مضافات میں بمقام مکن پور حضرت شاہ مدار کا روضہ ہے۔ مَیں اس مزار کی زیارت کے لیے گیا اور یہاں ایک خوبرو کے کرشمۂ ادا نے مجھے دامِ ہوس میں پھنسا دیا۔ مَیں اس حرص و ہوس کو عشق سمجھ بیٹھا۔ پھر جو گزری سو گزری۔ اس درگاہ میں مجھ سے بے ادبانہ حرکت سرزد ہو گئی تھی اس کا بدلہ مجھے اسی دنیا میں مل گیا۔ اس خاتون کے ہم قوم لوگوں نے حملہ کر کے مجھے زخمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا۔ سر اور کندھے پر تلواروں کے کئی زخم لگے۔ ایک زخم سر پہ آیا جو بہت گہرا تھا۔ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی بھی کٹ گئی۔ ایک ماہر جراح سے علاج کرایا۔ بیماری کے دوران میں میں نے منت مانی تھی کہ اچھا ہو جاؤں تو حج کروں گا، لیکن صحت کے بعد عہد پورا نہ کر سکا اور غسل صحت کے کچھ ہی عرصہ بعد سر کا زخم کھل گیا۔ بدایوں آکر علاج کرایا۔ اس دوران میں خواب دیکھا کہ سپاہی مجھے پکڑ کر آسمان پر لے گئے وہاں باقاعدہ کچہری لگی ہوئی تھی۔ مجھے پیش کیا گیا تو محرر نے ایک کاغذ کو غور سے دیکھا اور سپاہیوں سے کہا یہ وہ شخص نہیں ہے۔ میری آنکھ کھل گئی۔"

بدایونی کی صدق بیانی کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی گواہی دی ہے۔ اپنی مشہور کتاب تذکرہ میں فرماتے ہیں:

"بعض خوش اعتقاد بزرگوں کا خیال ہے کہ ملا عبدالنبی اور مخدوم الملک کی نسبت ملا عبدالقادر بدایونی نے "منتخب التواریخ" میں جو کچھ لکھا ہے اس کو ملا صاحب کی نکتہ چیں طبیعت کی بے اعتدالیوں اور معاصرت کے تعصب پر محمول کرنا چاہیے، لیکن ان بزرگوں کو معلوم نہیں کہ ملا بدایونی کے علاوہ اس عہد کے دیگر وقائع نگار بھی اس بارے میں متفق ہیں اور گو بدایونی کی طرح بے پردہ و بے باکانہ لکھنے کو شیوہ حزم و احتیاط و تہذیب نگارش کے خلاف سمجھتے ہیں، مگر اصلیت کا صاف اقرار کرتے ہیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے بڑھ کر محتاط اور پردہ پوش راوی کون ہوگا..... شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے (مخدوم الملک کے متعلق) اس سے زیادہ بدایونی نے کون سی بات لکھی ہے، البتہ شاہ صاحب تہذیبِ نگارش و طریق احتیاط و عفو پہ نظر رکھ کر پردے پردے میں لکھتے ہیں اور بدایونی اپنے جوشِ حق گوئی و اضطراب راست بیانی میں کسی بات کی پروا نہیں کرتے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا آزاد کی یہ عبارت اگرچہ دربار اکبری کے دو شیوخ کے بارے میں ہے لیکن دراصل ملا عبدالقادر بدایونی کے عام رویّے کے بارے میں بھی ہے۔ مولانا نے صاف اقرار کیا ہے کہ یہ مصنّف غیر محتاط ہرگز نہیں۔

ہمہ صفت موصوف:

ایک محبِّ اسلام اور بے باک مؤرخ ہونے کے علاوہ بدایونی اپنے حالات کے آئینے میں ایک ہمہ صفت موصوف شخص نظر آتے ہیں۔ وہ شاعر ہیں، ادیب ہیں، مؤرخ اور مصلح ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی طبیعت میں بذلہ سنجی بھی غضب کی ہے اور شاید اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ لطائف میں اکبری دربار کے مشہور رتن راجہ بیربر کے ساتھ جن مُلّا دو پیازے کا ذکر آتا ہے وہ یہی حضرت ہیں۔ اگرچہ اس قیاس پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنا محال ہے، لیکن "منتخب التواریخ" کے ایک جملے سے ایسا کنایہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ بدایونی لکھتے ہیں میں شاہی دربار سے وابستہ ہوا تو شہنشاہ نے کہا۔ یہ بدایونی مُلّا ان لوگوں کی خبر لے گا جو بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے کے عادی بن گئے ہیں۔ مُلّا صاحب کی اس اہلیت کا عام پر اعتراف کیا گیا ہے کہ برجستہ جواب دینے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اور ہنسی ہنسی میں مخالف پر ایسا وار کر جاتے تھے کہ وہ منہ دیکھتا رہ جاتا تھا، تاہم ان صفات میں ان کا سب سے بڑا وصف اپنے دین سے محبت اور جرأت ایمانی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی خوبی انہیں دائمی زندگی عطا کر گئی۔

وفات:

مولانا محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں لکھا ہے۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنہ ۱۱۰۰ھ کے آخری عشرے میں وفات پائی۔ دُنیا سے رخصت ہونے کے وقت ۵۷ سال عمر تھی۔ انتقال بدایوں میں ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔ آزاد کی عبارت ہے:

"خوشگوار نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ باغ انبہ واقع عطاپور، نواح بدایوں میں دفن ہوئے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس وقت یہ نام اور مقام ہوں گے۔ اب شہر سے دُور ایک کھیت میں تین چار قبریں، ان پر تین چار درخت آم کے ہیں اور یہ مُلّا کا باغ کہلاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انہی میں مُلّا صاحب کی قبر بھی ہے۔ غالباً خوشگوار کے بعد یہ مقام کبھی مُلّا کا باغ بھی کہلایا ہو۔ عطاپور اور باغ انبہ کا آج کوئی نام بھی نہیں جانتا، البتہ جس محلے میں ان کے گھر تھے اب بھی لوگوں میں زبان زد ہے اور تینگی ٹیلا کہلاتا ہے۔ سید باڑہ (غالباً سید واڑہ) میں ہے، لیکن ٹیلے یا گھر کا اثر آثار کچھ نہیں۔"

سچ ہے رہے نام اللہ کا۔ آدم زادہ ہونے کی حیثیت سے مُلّا صاحب کو بالآخر دُنیا سے رخصت ہونا تھا، سو یہ حادثہ رونما ہو کر رہا۔ آج اُن کے مولود مسکن اور مزار کا کوئی نشان ہے یا نہیں لیکن ان کے قلم سے سچ کی حفاظت کے لیے جو الفاظ لکھے گئے وہ یقیناً باقی ہیں اور باقی رہیں گے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مجدّد الف ثانیؒ

مجدّد عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مطلب ہے کسی چیز کو نیا کرنے والا۔ مذہبی زبان میں مجدّد اس بڑے عالم کو کہتے ہیں جو اپنی قابلیت سے ان خرابیوں کو دُور کر دے جو مذہب میں پیدا ہو گئی ہوں اور سچّے اور بالکل صحیح اصولوں کو پھر لوگوں کے سامنے لے آئے۔

ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ جب سے دُنیا بنی ہے نیکی اور بدی کی جنگ جاری ہے۔ انسانی نسل کا سب سے بڑا دُشمن شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمام انسان بُرائی کے راستے پر چلنے لگیں اور اس طرح ان سے وہ عزت چھن جائے جو اللہ پاک نے اپنا خلیفہ بنا کر انہیں دی ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے شیطان اور اس کے ساتھی سب سے زیادہ زور اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ مذہب کی باتوں میں کھوٹ شامل ہو جائے اور اس طرح خیر و برکت کا باعث بننے کی جگہ مذہب اُلٹا تباہی کا سبب بن جائے۔

ہماری دُنیا میں مذہب کے نام پر جو خُون خرابا ہوتا رہا ہے اور ایک قوم دوسری قوم کی دُشمن بنی ہوئی ہے اس کا اصل سبب شیطان کا یہی شر ہے۔

اوروں کی بات چھوڑیے ہم مسلمانوں میں مختلف فرقوں کے اندر جو نفرت اور دُشمنی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم نے اسلام کی اصلی اور سچّی باتوں کو چھوڑ کر بہت سی رسموں اور رواجوں کو اصل مذہب بنا لیا ہے اور اس برائی کے نتیجے میں ایک دوسرے کے دُشمن بنے ہوئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قوموں کے لوگوں نے اس سلسلے میں یہاں تک زیادتی کی ہے کہ اللہ پاک نے ان کی رہنمائی کے لیے جو کتابیں نازل کی تھیں ان تک کو بدل ڈالا اور ان کے اچھے اصولوں کی جگہ انہی خرابیوں کو اپنا مذہب بنا لیا جن کے مٹانے کے لیے رسولوں نے دن رات تکلیفیں اٹھائی تھیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ آخری نبی اور قرآن آخری الہامی کتاب ہے اس لیے اللہ پاک نے یہ ذمہ لیا ہے کہ قرآن اور اسلام کے سچے اصول قیامت تک رہیں گے اور ایسے عالم پیدا ہوتے رہیں گے جو ان غلط باتوں کو چھانٹ کر الگ کر دیں گے جنہیں مذہب کا حصہ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ گمراہ صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے دلوں میں کھوٹ ہو گا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ انہی محترم عالموں میں سے ہیں۔ جس زمانے میں آپ پیدا ہوئے اس میں مسلمانوں نے شیطان کی پھیلائی ہوئی بہت سی باتوں کو مذہب کا حصہ بنا لیا تھا۔ خاص طور سے برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں میں تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان خرابیوں میں ایک بہت بڑی خرابی یہ تھی کہ پہلے بگڑے ہوئے مذہبوں کے ماننے والوں کی طرح ان لوگوں نے بھی قولی عبادتوں[1] ہی کو اصل دین سمجھ لیا تھا اور یہ خیال کرنے لگے تھے کہ نجات کے لیے زبان سے اللہ اللہ کرتے رہنا کافی ہے۔

---

[1] اسلام نے یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ اس دین کے ماننے والے نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، مثال کے طور پر کوئی ظالم کسی کمزور اور بے گناہ کو ستا رہا ہو تو اسے روکیں کہیں بے انصافی ہو رہی ہو تو اُسے دُور کریں۔ اگر خدا نے مال و دولت دیا ہو تو اسے بھلائی کے کاموں میں خرچ کریں۔ نیکی کی باتیں دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ اور اس طرح کے تمام اچھے کام عبادت میں شامل ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص صرف زبان سے اللہ اللہ کرتا رہے۔ بھلائی کے کاموں میں حصہ نہ لے تو اس کے اس فعل کو قولی عبادت کہیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طریقے یا مسلک کو تصوّف کہتے ہیں اور جو لوگ اسے اپنائیں انہیں صوفی کہا جاتا ہے، دراصل تصوّف اسلام سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کی خالص صورت ہے۔ شروع زمانے میں ان لوگوں کو صوفی کہا جاتا تھا جو پکّے سچے مسلمان ہوتے تھے ۔ یہ بزرگ پُوری پُوری توجہ اور محنت سے اپنے دنیاوی فرائض بھی ادا کرتے تھے اور اللہ پاک کی عبادت بھی کرتے تھے، لیکن جب دوسرے بڑے بڑے مذاہب کی باتیں اپنائی گئیں تو تصوّف اور رہبانیت اور سادھوؤں کے طریقے میں کوئی فرق نہ رہا۔ عیسائیوں میں کچھ لوگ دُنیا کے کاموں کو بالکل چھوڑ کر خانقاہوں اور گرجوں میں رہنے لگتے ہیں اور اپنی ساری زندگی عبادت میں گزار دیتے ہیں۔ ایسے مردوں کو راہب اور عورتوں کو راہبہ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ہندو مذہب کو ماننے والے کچھ لوگ دُنیا سے کنارہ کش ہو کر جنگلوں پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں اور ساری زندگی گیان دھیان یعنی عبادت میں گذار دیتے ہیں انہیں سادھو کہتے ہیں۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسے لوگ ذاتی طور پر کیسے بھی اچھے بن جاتے ہوں، لیکن انسانی برادری کے لیے مفید نہیں رہتے، مفید ہونا ایک طرف بلکہ اُلٹا بوجھ بن جاتے ہیں، کیونکہ دوسرے کماتے ہیں اور وہ کھاتے ہیں۔

حضرت مجدّد صاحب کے زمانے میں مسلمانوں کے اندر ایسے لوگوں کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی۔ یہ لوگ خانقاہوں اور تکیوں میں ہوحق کرتے رہتے تھے، اس دُنیا کو اچھّا بنانے اور اچھار کھنے کے لیے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ نہ اس طریقے سے عبادت کرتے تھے جو اسلام نے بتایا ہے۔ صوفیوں کے علاوہ عالموں اور عام مسلمانوں میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور ان میں سب سے بڑی خرابی دنیا پرستی تھی۔ حکمرانوں سے لیکر عوام تک سب عیش پرست بن گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصلاح کی کوشش :

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ساری باتوں کا اندازہ کر کے ان بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، آپ نے ان لوگوں کو سمجھایا سچا صوفی اور سچا درویش وہی ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا ہادی اور راہنما سمجھے اور قرآن شریف اور حدیث کے حکموں کے مطابق زندگی گزارے اور یہی بات عام مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا اس زمانے میں صوفی بالکل بے عملی کی زندگی گزارتے تھے اور عوام دین کے احکام سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ آپ نے اپنی کوششوں سے اس ماحول کو بدل دیا، صوفی جو مولوی کو اپنا سب سے بڑا دشمن خیال کرتے تھے اور اللہ پاک کی ذات اور صفات کے بارے میں فضول قسم کی بحثوں میں الجھے رہتے تھے، اپنی غلطیوں سے آگاہ ہو گئے اور قرآن شریف کے احکامات کے مطابق اسلام کی اچھی باتیں دوسروں تک پہنچانے اور ان پر عمل کرانے کے مفید کام میں لگ گئے۔ اسی طرح علماء اور عوام کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہوا۔

اس سلسلے میں آپ نے اپنے مختلف مریدوں اور عقیدت مندوں کے نام بہت سے خطوط لکھے، ان خطوط میں نہایت عمدہ طریقے سے اسلام کی تعلیم دی گئی ہے۔ انھیں آپ کے مکتوبات کہا جاتا ہے۔ ہمارے موجودہ زمانے میں بھی ان مکتوبات کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔

صوفیوں اور مولویوں کا اختلاف مٹانے کے علاوہ حضرت مجدد صاحب نے ایک اور بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ حکومت کے بڑے بڑے افسروں کو اور خود بادشاہ کو اسلام کی اچھی باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ اس زمانے میں ایک اور بہت بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی تھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت کا اختیار تھا وہ اسلام سے تقریباً کٹ گئے تھے۔ اپنے مقدس دین کی تعلیم کے خلاف ان لوگوں نے عیش و عشرت کی زندگی اختیار کر لی تھی اور اپنے بڑھتے ہوئے اخراجات پورے کرنے کے لیے وہ عام مسلمانوں کو اسی طرح لوٹتے اور لوگوں کو اسی طرح ستاتے تھے جس طرح غیر قوموں کے حاکم اپنی رعایا کو لوٹتے تھے۔

شہنشاہ اکبر کے نئے مذہب دینِ الٰہی کی وجہ سے اس خرابی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا۔ یہ شہنشاہ ذاتی طور پر بے حد قابل، بہادر اور دُور اندیش تھا، لیکن مذہب کے معاملے میں اس کا عقیدہ پختہ نہ رہا تھا، یا یوں کہنا چاہیے کہ اس نے مذہب کو بھی ایک ایسی چیز سمجھ لیا تھا جسے اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

دراصل شروع ہی سے اس خیال کے لوگوں کا ایک گروہ چلا آ رہا ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مذہب ہمارے دنیاوی معاملات کو ٹھیک کرنے اور ٹھیک رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اپنی نادانی سے یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ مذہب انسانوں کے بنائے ہوئے اصولوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ان پاکیزہ اصولوں کا نام ہے جو اللہ کے سچے رسولؐ لے کر آئے۔ ان اصولوں میں نہ کچھ بڑھایا جا سکتا ہے نہ کچھ گھٹایا جا سکتا ہے۔ ان کے مجموعے کو شریعت کہتے ہیں۔

شہنشاہ اکبر کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ ایک نیا دین ایجاد کر کے اس مُلک میں بسنے والی قوموں کو ایک قوم بنایا جائے گا۔

اور اس طرح یہاں ایک مضبوط سلطنت قائم کی جا سکے گی۔ چنانچہ یہی مقصد حاصل کرنے کے لیے اس نے ہندومت اور اسلام کے اصولوں کو ملا کر دینِ الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب بنایا اور اس بات کے لیے پوری پوری کوشش کی کہ رعایا اس مذہب کو اختیار کر لے۔ اس مذہب کی رُو سے بادشاہ کی ذات سب سے زیادہ محترم تھی اور ہر شخص کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس کا زیادہ سے زیادہ ادب کرے اور اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکموں پر چلے۔

جن لوگوں کے دلوں میں لالچ تھا جو بادشاہ سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے یہ مذہب اختیار کر لیا، لیکن اپنے دین کو پوری طرح سمجھنے والوں نے اُسے نفرت کی نظر سے دیکھا۔

اکبر بہت طاقتور بادشاہ تھا۔ اس کی مخالفت کرنا آسان کام نہ تھا، لیکن جن لوگوں کا ایمان کامل تھا انہوں نے اس نئے مذہب کو ماننے سے صاف انکار کر دیا اور اس انکار کی وجہ سے کافی نقصان اٹھایا۔

اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔ یہ شہنشاہ دینِ الٰہی کا پیرو نہ تھا، لیکن ادب آداب کے سلسلے میں اُس نے بھی بہت سی غیر اسلامی باتیں اختیار کیے رکھیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بادشاہ کے زمانے میں اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کیا۔

جہانگیر سے مقابلہ :

اپنا اور اپنی بادشاہت کا رُعب رکھنے کے لیے اکبر نے یہ بات ضروری قرار دی تھی کہ ان کے سامنے آنے والے لوگ گردن جھکا کر آئیں۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے دربار میں آنے کے لیے ایک چھوٹا سا دروازہ بنایا گیا تھا۔ یہ دروازہ اس قدر نیچا تھا کہ اکبر کے بعد جہانگیر نے بھی اس دوزخی دروازے کو باقی رکھا اور یہ بات ضروری قرار دی کہ بادشاہ کے سامنے کسی کا سر اُونچا نہ رہے۔

یہ بات اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف تھی۔ ہمارے مقدس دین نے یہ تعلیم دی ہے کہ عبادت کے قابل صرف اللہ پاک کی ذات ہے۔ ہمیں اسی کے سامنے سر جھکانا چاہیے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے سب انسان برابر ہیں۔ عزت کے قابل وہ ہے جو بھلائی اور نیکی کے کام زیادہ کرتا ہے۔

اس اچھی تعلیم کے مطابق حضرت مجدد صاحب نے اس طریقے کی مخالفت فرمائی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ سے یہ کہا یہ جہالت کے زمانے کی باتیں چھوڑ کر اللہ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گذارو۔

اگر یہ بادشاہ آپ کی یہ بات مان لیتا تو اُسے سچی عزت نصیب ہوتی اور اللہ پاک اس کی سلطنت کی جڑیں جما دیتا' لیکن اُس نے یہ اچھا مشورہ قبول نہ کیا۔ وہ اُلٹا ناراض ہوگیا۔ اُس نے خیال کیا حضرت نے میرے خلاف بغاوت کردی ہے۔

بادشاہ کے ناراض ہونے کی ایک بڑی یہ وجہ بھی ہوئی کہ اس کے دربار کے بعض بُرے امیروں نے اُسے حضرت مجدد صاحب کے خلاف بھڑکایا۔ ان لوگوں نے پروپیگنڈہ کیا۔ مجدّد صاحب مغلیہ سلطنت کو مٹا کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ امیر شیطان کے راستے پر چلنے والے تھے۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد عام لوگوں کو لوٹنا کھسوٹنا اور عیش و عشرت میں غرق رہنا تھا۔ اسلام کی باتوں پر عمل کیا جائے تو ایسی بے ضابطگیوں اور ظلم و ستم کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ ان امیروں نے اسی وجہ سے حضرت مجدد صاحب کی مخالفت کی۔

فقیر کی طاقت:

ان بُرے اور ظالم امیروں وزیروں کے بہکانے کی وجہ سے شہنشاہ جہانگیر نے یہ فیصلہ تو کرلیا کہ حضرت مجدّد صاحب کو گرفتار کرلیا جائے' لیکن ایک بہت بڑا بادشاہ ہونے کے باوجود وہ آپ کو گرفتار کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے درباری امیروں میں بعض نیک دل امیر حضرت مجدّد صاحب کے مرید تھے۔ ان میں خان خاناں' خاں جہاں لودھی اور مہابت خاں کے نام خاص ہیں۔ یہ تینوں بہت بڑے بڑے عہدوں پر مقرر تھے اور ان تینوں ہی کو حضرت کی ذات سے بہت عقیدت تھی۔ بادشاہ اس بات سے ڈرا کہ اگر ان تینوں نے بغاوت کردی تو سلطنت کا انتظام تباہ ہوجائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخر خوب سوچ بچار کے بعد جہانگیر نے ایک ترکیب کی۔ اس نے ان تینوں امیروں کو سلطنت کے دُور دراز علاقوں میں بھیج دیا۔ خان خاناں کو دکن، خاں جہاں لودھی کو بنگال اور مہابت خاں کو کابل، اب میدان صاف تھا۔ دربار میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حضرت مجدّد صاحب کا حمایتی ہوتا۔

۱۶۱۹ء میں جہانگیر نے حضرت مجدّد صاحب کے نام حکم بھیجا کہ آپ ہمارے دربار میں حاضر ہوں۔ حضرت مجدّد صاحب اس حکم پر دربار میں تشریف تو لے گئے لیکن آپ نے اس دروازے میں سے گزرنا پسند نہ کیا جس میں سے ہر شخص کو گزرنا پڑتا تھا۔ آپ نے ایک سچّے مومن کی شان کے مطابق بادشاہ کو نصیحتیں کیں۔ اگر جہانگیر کے دل میں آپ کے خلاف شک پیدا نہ کر دیا جاتا تو شاید وہ آپ کی ان باتوں پر عمل کرتا، لیکن ان حالات میں اُس نے آپ کی باتوں کی طرف توجہ نہ دی۔ آپ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔

قید خانے میں روشنی :

اللہ کے نیک بندوں کی مثال اس شمع کی سی ہوتی ہے جو ہر جگہ روشنی پھیلا دیتی ہے۔ اسے اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ بادشاہ کے محل میں روشنی کی گئی ہے یا کسی غریب کی جھونپڑی میں۔ حضرت مجدّد صاحب کو گوالیار کے قلعے کی اونچی اونچی دیواروں کے پیچھے قید کر دیا گیا تو آپ نے وہاں بھی نیکی پھیلانے کا کام جاری رکھا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کی طرح آپ قیدیوں کو اسلام کی اچھی اچھی باتیں بتاتے اور نیکی کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے۔ اس کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے قیدیوں نے شریفانہ چال چلن اختیار کر لیا۔ گویا آپ کی برکت سے قید خانے کی اندھیر کوٹھڑیوں میں نیکی کا نور پھیل گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجدّد صاحب کی بہادری :

جس زمانے میں آپ قید تھے آپ کے بہت سے عقیدت مندوں نے یہ مشورہ دیا کہ محض بادشاہ کا شک مٹانے کے لیے اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسی طریقے سے بادشاہ کی تعظیم کر لیجیے جو اس نے مقرر کیا ہے ۔ ان لوگوں نے یہ دلیل بھی دی کہ اسلام نے جان بچانے کی تاکید کی ہے اور اس بات کو جائز بتایا ہے کہ کسی ظالم کے سامنے بے بس ہو جائیں یا زندگی کو خطرے میں ڈالنے والی کوئی اور مجبوری آجائے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنے اصول کو چھوڑ دیں ۔ کہتے ہیں ولی عہد سلطنت شاہجہان جو اس وقت شہزادہ خرم کہلاتا تھا حضرت سے ملنے گوالیار کے قلعے میں گیا اور بادشاہ کو خوش کرنے کی ترغیب دی، لیکن آپ نے یہ بات نہ مانی ۔ فرمایا اجازت ضرور ہے، لیکن افضل و اعلیٰ بات یہ ہے کہ ہر حالت میں اپنے اصول کی حفاظت کی جائے ۔

مہابت خاں کی بغاوت :

ہم یہ بات پہلے بتا چکے ہیں کہ مغلیہ دربار کا بہت بڑا رکن مہابت خاں حضرت مجدّد صاحب کا مرید اور خلیفہ تھا اور بادشاہ نے اسی وجہ سے اسے کابل کا گورنر بنا کر دُور دراز بھیج دیا ۔ جب اُس نے اپنے مرشد کی گرفتاری کا حال سُنا تو فوج لے کر آگرے کی طرف چل پڑا ۔ ادھر سے جہانگیر بھی مقابلے کے لیے نکلا ۔ دونوں فوجیں اٹک دریا کے کنارے آمنے سامنے ہوئیں ۔ جنگ شروع ہوئی اور اس جنگ میں مہابت خاں جیت گیا ۔ اُس نے جہانگیر کو قید کر لیا ۔ ملکہ نُور جہاں کی دانائی سے بادشاہ کو آزادی نصیب ہوئی ۔ یہ واقعات ۱۶۱۹ء کے ہیں ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ کی غلط فہمی دُور ہو گئی :

کسی نے بالکل سچ کہا ہے، سچائی کو زیادہ دیر تک چھپایا نہیں جاسکتا۔ بالآخر شہنشاہ جہانگیر کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضرت مجدد صاحب میرے اور میرے خاندان کے دشمن نہیں ہیں بلکہ آپ صرف ان برائیوں کی اصلاح چاہتے ہیں جو مسلمان قوم میں عام طور سے پیدا ہو گئی ہیں اور جن کی وجہ سے یہ قوم اللہ پاک کی رحمت سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ حضرت کے خلاف جو باتیں پھیلائی گئی ہیں وہ سب من گھڑت ہیں۔ چنانچہ سچائی سے آگاہ ہوتے ہی شہنشاہ نے حضرت کو آزاد کر دیا اور پھر اخیر تک اپنے ساتھ رکھا اور آپ کے مشورے پر عمل کر کے بہت سی برائیوں کا خاتمہ کر دیا۔ ہمیں یقین ہے کہ مغلیہ خاندان کے اس بادشاہ نے مظلوموں کے ساتھ انصاف کرنے کے سلسلے میں جو نیک نامی حاصل کی اور اسی طرح کے جو اور اچھے کام کیے وہ حضرت مجدد صاحب ہی کی نصیحتوں کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ شروع زندگی میں شہنشاہ جہانگیر خوب عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتا تھا اور دین کے کاموں کی طرف سے بہت بے پروا تھا۔

ایک اچھا نتیجہ :

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے یہ واقعات پڑھ کر ہمیں کامیابی کا ایک نہایت عمدہ گر معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کو برا بھلا کہہ کر انہیں اپنا دشمن بنا لینے کی جگہ اصلاح اور تبلیغ کا ایک عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ان کے قریب ہو کر انہیں نیکی اور بھلائی کی باتیں سمجھائی جائیں۔ ہاں اس سلسلے میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ دوسروں کو ہم خیال بنانے کے جوش میں انسان اپنا مسلک نہ چھوڑے۔

دراصل یہی وہ طریقہ ہے جس پر چل کر ہمارے آقا اور اللہ کے سچے رسول حضرت محمد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسلام کی اچھی باتیں پھیلائیں ۔ آج اسلام کے بڑے سے بڑے مخالف اور دشمن بھی یہ بات ماننے پر مجبور ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اخلاق کی طاقت سے پھیلا ہے ۔ حضرت مجدّد صاحب نے پوری زندگی اسی سُنّت پر عمل کیا اور شہنشاہ سمیت بہت ذی اثر لوگ آپ کی کوشش سے راہِ راست پر آئے ۔ آپ کی مساعی سے علماء اور عام مسلمانوں کے احوال میں تغیّر آیا ۔ شہنشاہ جہانگیر نیکی کی طرف راغب ہوا اور اس کے درباری امراء راہِ راست پر آئے اور یُوں اکبر کے دین الٰہی کا اثر مٹ گیا ۔

مجدّد صاحب کا خاص مقصد :

حضرت مجدّد صاحب نے اپنی زندگی میں جو کارنامہ انجام دیا وہ یہ ہے کہ حجروں میں بیکار بیٹھ کر مفت کی روٹیاں کھانے والے پیروں اور درویشوں کو یہ بات سمجھائی کہ جب تک تم لوگ حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طریقے پر نہیں چلو گے اُس وقت تک تمہاری نجات نہ ہو گی ۔ آپ کی پاکیزہ تعلیمات کی وجہ سے تکیوں اور خانقاہوں کی حالت سدھر گئی اور یہ بیکاروں کے گڑھ بنے رہنے کی جگہ بھلائی کے مرکز بن گئے ۔ شریعت اسلامی سے منہ موڑ کر اِدھر اُدھر بھٹکنے والے پیروں فقیروں نے اسلام کے سچّے اُصولوں کو اپنایا اور اسلام کی ترقی کے بہت سے کام کیے ۔

ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج اس مُلک میں اسلام کی جو روشنی نظر آرہی ہے وہ بڑی حد تک آپ ہی کی کوشش اور قابلیت کا نتیجہ ہے ۔ آپ نے اور آپ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر بادشاہ کے دینِ الٰہی کا اثر دُور کرکے اسلام کے سچے اصولوں کو نکھارا اور لوگوں کو ان اُصولوں پر عمل کرنے کے لیے تیّار کیا ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندانی حالات:

آخیر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے کچھ خاندانی حالات بھی بتا دیے جائیں تاکہ آپ کی مبارک ذات سے پوری طرح واقفیت ہو جائے۔

حضرت مجدد صاحب کا سلسلۂ نسب ستائیسویں پشت میں حضرت عمرؓ بن الخطاب سے مل جاتا ہے۔ آپ کے پانچویں دادا حضرت امام رفیع الدین نے اس بستی کو آباد کیا تھا جس کا نام سرہند ہے اور جہاں آپ کا مزار مبارک ہے۔ یہ بستی اب مشرقی پنجاب (بھارت) میں ہے۔

آپ کے دادا صاحب کا نام شیخ زین العابدین اور والد صاحب کا اسم گرامی شیخ عبدالاحد تھا۔ آپ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو دنیا میں تشریف لائے۔ ماں باپ نے آپ کا نام احمد رکھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ آپ ایسے ذہین تھے کہ صرف سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ حدیث اور دوسرے اسلامی علوم مولانا قادر بہلول بدخشانی اور مولانا کمال کشمیری سے حاصل کیے۔

ظاہری علوم میں کامل ہونے کے بعد باطنی یا روحانی علم حاصل کرنے کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہوئے، جن کی درگاہ دلی میں ہے۔

آپ کی شادی تھانیسر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ۲۵ سال کی عمر میں آپ نے حج کا ارادہ کیا۔ اس سفر کے دوران میں دلی ٹھہرے اور خواجہ باقی باللہ کی بیعت کی۔ حج سے فارغ ہو کر اسلام کی تبلیغ اور قوم کی اصلاح کا کام شروع کر دیا اور آخری وقت تک یہ فرض انجام دیتے رہے۔

ایک روایت کے مطابق ۹، ربیع الاوّل ۱۰۹۷ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کی زندگی نہایت سادہ اور نیکیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اگرچہ بڑے بڑے امیر اور کئی شاہزادے آپ کے مرید تھے، لیکن کسی سے روپے پیسے کی امداد نہیں لی۔ ہمیں دُعا کرنی چاہیے اللہ پاک ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

---

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

برِ صغیر پاک و ہند کے مسلم مصلحین میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔ مغلوں کی سلطنت کے آخری دَور میں جب اس مُلک میں آباد مسلمان چاروں طرف سے مصائب میں گھرے ہوئے تھے اور انہیں سنبھالا دینے کا کوئی مؤثر ذریعہ نظر نہ آتا تھا انہوں نے اپنی ملّت کی بقا اور ترقی کے لیے قیمتی خدمات انجام دیں۔

اس مُلک میں مسلمانوں کا سیاسی زوال تو آخری حدوں کو چھو ہی رہا تھا، لیکن اس سے بھی زیادہ پریشان کن صورتِ حال دینی اور سماجی دائروں میں تھی۔ اپنے مقدّس دین کی حقیقی رُوح سے ناآشنا فرقوں میں بٹے ہوئے مسلمان متحارب افواج کی طرح آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ادبار کی گھٹا سروں پر سائبان کی طرح تنی ہوئی تھی، لیکن وہ اپنے حال میں مست ڈھلوانوں کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ایسے نازک حالات میں حضرت حاجی صاحب نے ہر محاذ پر بہت جاں کاہی سے رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ فوراً ہی ان کی کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مُلک انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا، لیکن ان کی اور ان کے ہم مسلک بزرگوں کی کوششوں کا یہ مفید نتیجہ بہرحال نکلا کہ اصلاحِ احوال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درست راستے کا تعین ہو گیا جس پر چل کر مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا۔

انہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں عملاً حصّہ لیا۔ دینی علوم کی ترویج میں عمر بھر مصروف رہے۔ بگڑے ہوئے عقائد درست کرنے کے لیے بھرپور جدّوجہد کی اور اتحادِ ملّت کے لیے تو ایک ایسا کارنامہ انجام دیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ ان کا رسالہ ہفت مسئلہ ہے۔ اپنی اس قابلِ قدر تصنیف میں انہوں نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا کہ مسلمانوں کے فرقے انتہا پسندی کی روش ترک کر کے اور اس دعوے سے دست کش ہو کر کہ صرف وہ راست پر ہیں اعتدال کا راستہ اختیار کریں اور کم از کم ان صداقتوں پر متفق ہو جائیں جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں۔

یہ نقطۂ نظر دراصل قرآن سے ماخوذ تھا۔ اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ سے کہا گیا:

"اے نبیؐ، کہو اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔"

(آل عمران۔ ۶۴)

قرآن نے یہ دعوت یہودیوں اور عیسائیوں کو دی ہے تو وہ مسلمان تو اس کے بدرجۂ اتم مخاطب ہیں جن کے مابین صرف فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔ حاجی صاحب نے یہی بات پیش نظر رکھ کر یہ رسالہ تصنیف فرمایا اور بڑی وضاحت سے یہ بتایا کہ کن کن اختلافات کو کس کس طرح دُور کیا جا سکتا ہے۔ اسے بدقسمتی ہی کہنا چاہیے کہ مسلمانوں کے اختلافات ختم نہ ہوئے اور انہیں اپنا بُرا انجام دیکھنا پڑا، تاہم اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسالے کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہمارے آج کے دینی رہنماؤں کو بھی دعوت دے رہا ہے کہ وہ فی سبیل اللہ فساد سے باز آجائیں اور متحد ہو کر دین اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی بقا اور ترقی کے لیے جدوجہد کریں۔

مسلمانوں کے فرقہ وارانہ اختلافات ان دنوں بھی حد درجہ سنگین ہیں، لیکن جس زمانے میں یہ رسالہ لکھا گیا وہ تو گویا اس فتنے کے شباب کا تھا۔ انگریزوں نے روایتی مسلمانوں کی کمزوریوں کا اندازہ کر کے وہابیت کی اصطلاح گھڑوائی تھی اور فساد کا ایک بڑا سبب بنوا دیا تھا۔ بالاکوٹ میں مجاہدین کی شکست کا ایک سبب یہ پروپیگنڈہ بھی تھا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں بلکہ وہابی ہیں۔ جن لوگوں کو وہابی قرار دیا جاتا تھا، ان کے خلاف دلوں میں کس قدر نفرت پیدا کر دی جاتی تھی، اس کا اندازہ اس زمانے میں لکھی گئی ایک مثنوی کے اس شعر سے ہو سکتا ہے۔

وہابی بے حیا جھوٹے ہیں یارو
جہاں مل جائیں جوتے ان کو مارو [1]

ذاتی اور خاندانی حالات :

حضرت حاجی صاحب کا سلسلۂ نسب خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کے بزرگ اولاً محمد بن قاسم کے ان جیوش میں شامل ہو کر وارد ہند ہوئے جنہوں نے اس برصغیر میں پہلی اسلامی مملکت قائم کی۔ یہ بزرگ مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین بھی تھے۔ حالات کے اتار چڑھاؤ کے مطابق ان کی اولاد وسط ہند کی طرف بڑھتی رہی اور اس نے دین کو ترقی دینے کے سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شیخ سلیم چشتیؒ اور حضرت میاں میرؒ وغیرہ نامور مصلحین کا تعلق اسی خانوادے سے ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ مغل فاتحین کے ساتھ ہندوستان آئے اور بہت ممتاز حیثیت سے دینی اور دنیاوی خدمات انجام دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق مغل حکمرانوں نے سیدوں اور صدیقی، فاروقی اور عثمانی شیوخ کو گنگا اور جمنا کے دوآبے میں بڑی بڑی جاگیریں دے کر آباد کیا تھا۔ پھر کچھ مغلوں کے زوال اور کچھ وراثت تقسیم ہونے کے عمل کے باعث ان جاگیروں کی اصل تو باقی نہ رہ سکی، لیکن پھر بھی ان خاندانوں کے افراد کافی خوشحال تھے۔ حاجی صاحب کے والد حافظ محمد امین بن شیخ بڈھا بن شیخ بلاقی تھانہ بھون کے باشندے تھے اور ان کا شمار اس قصبے کے آسودہ حال لوگوں میں ہوتا تھا۔

حاجی صاحب ماہ صفر المظفر ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے وقت آپ کی والدہ صاحبہ اپنے میکے قصبہ نانوتہ میں تھیں۔ آپ کی ولادت وہیں ہوئی۔ آپ کے نانا شیخ علی محمد صدیقی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے قریبی عزیز تھے اور بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام بی بی حسینی تھا۔ آپ کا نام امداد حسین اور تاریخی نام ظفر احمد رکھا گیا۔

تعلیم و تربیت:

اس زمانے کے دستور کے مطابق آپ کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا اور ناظرہ ختم کرنے کے بعد آپ نے حفظ کرنا شروع کیا، لیکن مکمل نہ کر سکے۔ یہ سعادت آپ نے بڑھاپے کی عمر میں مکمل قرآن حفظ کر کے حاصل کی۔

۱۶ برس کی عمر میں آپ بغرضِ تعلیم دہلی تشریف لائے اور دہلی کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ کو مولوی مملوک علی کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا جو صدر شعبہ علوم شرقیہ تھے۔ ان کے علاوہ آپ نے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی فیض حاصل کیا اور رانی نے آپ کا نام امداد حسین کی جگہ امداد اللہ تجویز کیا جو اس طرح مشہور ہوا کہ اصل نام کسی کو یاد ہی نہ رہا۔

روحانی تعلیم کے لیے آپ اس زمانے کے ایک بزرگ حضرت نصیر الدین نقشبندی مجددی سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کا رجحان دنیاوی علوم کے بجائے روحانی علوم کی طرف زیادہ تھا، اس لیے تعلیم سے فارغ ہو کر ایک حجرے میں اقامت اختیار کی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

آپ نے اپنے حصے کی خاندانی جائیداد اپنے بھائی کو ہبہ کر دی، بس بقدر ضرورت معمولی رقم لیتے تھے۔

جہادِ آزادی میں حصہ:

حکمرانوں کی نااہلی اور غفلت کے باعث مغلوں کی حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ مرہٹے، سکھ اور انگریز ان کے تینوں حریف بتدریج طاقت حاصل کر رہے تھے اور مغل اپنے لال قلعے کی طرف سکڑتے چلے جا رہے تھے۔ ایسے حالات میں اس حکومت کے باقی رہنے کا ہلکا سا امکان بھی باقی نہ تھا، لیکن اس ملک کے وہ مسلمان جن میں دینی حمیت باقی تھی اس برے انجام کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ علمائے حق کا ایک گروہ برابر اس کوشش میں مصروف تھا کہ اس ملک میں اسلام کی جو شمع روشن ہے وہ بجھنے نہ پائے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا جہاد ایسی ہی ایک کوشش تھی۔ اگرچہ اس جہاد کے کوائف میں حضرت حاجی صاحب کا نام نہیں آتا، لیکن یہ قیاس کرنا بے جا نہیں کہ وہ اس کی تیاری میں کسی نہ کسی حیثیت سے ضرور شریک رہے ہوں گے۔ یہ جہاد عملاً ۱۸۳۱ء میں ان دونوں بزرگوں کی شہادت پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ختم ہو گیا، لیکن ایک تحریک کی صورت میں جاری رہا۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی تسلسل میں لڑی گئی اور اس جنگ میں حضرت حاجی صاحب نے عملی طور پر بھرپور حصہ لیا۔

شاملی کا محاذ:

اس جہاد آزادی کا آغاز تو میرٹھ کی فوجی چھاؤنی سے ہوا تھا، لیکن حریت پسند عوام بھی اس میں شامل ہو گئے، اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ عوامی سطح پر اس کا سب سے زوردار معرکہ حاجی صاحب کی قیادت میں لڑا گیا۔ یہ جنگ شروع ہوئی تو حاجی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں نے منظم ہو کر اس میں باقاعدہ حصہ لیا۔ حاجی صاحب کو امیر، مولانا محمد قاسم نانوتوی کو سپہ سالار، مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی اور حافظ سید ضامن اور مولانا محمد منیر کو میمنہ اور میسرہ کے کماندار مقرر کیا گیا اور اس لشکر نے شاملی کے محاذ پر انگریزی فوج کو شکست دی اور اس کی چھاؤنی پر قبضہ کر لیا۔

اگرچہ یہ فتح عارضی ثابت ہوئی۔ اسے دائمی بنایا بھی نہ جا سکتا تھا، کیونکہ صدیوں کی سیاسی اور معاشرتی خامیوں کی وجہ سے غداروں کی بہت بڑی تعداد انگریزوں کے ساتھ تھی اور خود مجاہدین کی صفوں میں بھی بہت کمزوریاں تھیں، لیکن اس لشکر کی شجاعت، منصوبہ بندی اور مقاصدِ جہاد سے آگاہی کے بارے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ شعر اس پر پوری طرح صادق آتا ہے ؎

شکست و فتح مقدر سے ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت :

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی مجاہدین کی ہزیمت اور انگریزوں کی کامل فتح پر ختم ہوئی اور ان غیور ہندوستانیوں، بالخصوص مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جنہوں نے اس جہاد میں حصہ لیا تھا۔ آتشِ انتقام میں جلتے ہوئے انگریزوں نے لاکھوں گھر بے چراغ کر دیے۔ محلے کے محلے کھود کر پھینک دیے، لیکن اس ہنگامہ دار و گیر میں بھی حاجی صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے فراست اور دانائی کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ حافظ سید ضامن تو شاملی کے معرکے میں درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے تھے، باقی حضرات روپوش ہو گئے اور یوں انتہائی کوشش کے باوجود انگریز ان کا بال بیکا نہ کر سکے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں تو اس سلسلے کا ایک بہت دلچسپ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں مولانا کی تلاش میں ایک انگریز خاص اس جگہ پہنچ گیا جہاں مولانا موجود تھے اور چونکہ وہ آپ کو شکل سے نہ پہچانتا تھا اس لیے خاص آپ ہی سے دریافت کیا۔ "ویل کیا تم جانتا قاسم نانوتوی کدھر ہے؟"
انگریز کی بات سن کر مولانا اس جگہ سے دو قدم ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ "ابھی تو وہ یہاں کھڑا تھا۔" انگریز نے افسوس کے انداز میں سر مٹکایا اور وہاں سے چلا گیا۔

حاجی صاحب روپوش ہو کر پہلے انبالے اور نگری و پنج لاسہ نامی بستیوں میں مختصر قیام کرتے ہوئے کراچی پہنچ گئے اور وہاں سے بحری جہاز کے ذریعے مکہ معظمہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس سفر میں آپ کی ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی۔ پنج لاسہ میں آپ اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عقیدت مند راؤ عبداللہ خاں راجپوت کے گھر قیام پذیر ہوئے تھے اور اس نے آپ کو اپنے اصطبل سے ملحق ایک کوٹھری میں ٹھہرایا تھا۔ ایک جاسوس نے علاقے کے انگریز افسر کو آپ کا بالکل ٹھیک پتہ بتایا اور وہ فوراً راؤ عبداللہ خاں کے گھر پہنچ گیا اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے کہنے لگا "راؤ صاحب سُنا ہے آپ کے اصطبل میں بہت عمدہ نسل کے گھوڑے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں وہ دیکھیں"

زمانہ ایسا پُر آشوب تھا کہ انگریزوں کے معتوب لوگوں کو پناہ دینے والے بھی باغی قرار دیے جاتے تھے اور اُن کے لیے سخت سزائیں تجویز کی جاتی تھیں۔ انگریز کی بات سُن کر راؤ صاحب پریشان تو ہوئے، لیکن انہوں نے اپنے حواس پر قابو رکھا اور آگے بڑھ کر اصطبل کا دروازہ کھول دیا، لیکن انگریز خاص اس کوٹھڑی کے سامنے جا کھڑا ہوا جس میں حاجی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے اور کہنے لگا "سُنا ہے اس کوٹھری میں بہت اعلیٰ نسل کا گھوڑا ہے پہلے ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں"

خطرہ سر پر آکھڑا ہوا تھا، لیکن راؤ صاحب کو خدا نے ایسے نازک موقع پر بھی حواس بحال رکھنے کی توفیق دی۔ انہوں نے اللہ کا نام لے کر کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا اور انگریز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوٹھڑی خالی تھی۔ مخبر نے بہت اعتماد کے ساتھ حاجی صاحب کے اس کوٹھڑی میں ہونے کی اطلاع دی تھی۔ انگریز کھسیانا سا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس دوران میں اسے ایک نشانی ایسی نظر آئی جس سے کسی انسان کے وہاں ٹھہرنے کی تصدیق ہوتی تھی۔ وہ نماز کی چوکی کے قریب وضو کے پانی سے گیلی زمین تھی۔ انگریز نے سوال کیا یہ کیا ہے؟ راؤ صاحب نے جواب دیا یہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ انگریز بولا، لیکن نماز تو مسجد میں ادا کی جاتی ہے؟ راؤ صاحب نے فرمایا۔ مسجد میں فرض نمازیں ادا کی جاتی ہیں، نفل نماز ہم لوگ تنہائی میں پڑھتے ہیں۔ انگریز لاجواب ہو کر چلا گیا اور حاجی صاحب اسی دن اپنی اگلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے سوانح نگاروں نے اس واقعے کو آپ کی کرامت قرار دیا ہے۔

مکہ معظمہ کا مہمان :

حاجی صاحب بے سروسامانی کی حالت میں مکہ معظمہ پہنچے۔ بیان کیا گیا ہے کہ کئی دن کھانے کو کچھ نہ ملا، آپ صرف آبِ زم زم پیتے رہے اور جب نقاہت بڑھ گئی تو یہ نیت کر کے زمین پر لیٹ گئے کہ اب میرے اللہ کو جو منظور ہو گا ہو جائے گا۔ اسی حالت میں آپ نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "اے امداد اللہ، پریشان نہ ہو، ہم نے تمہارے ہاتھوں سے لاکھوں روپے کا خرچ مقرر کر دیا ہے۔"

آپ نے فرمایا۔ "یا حضرت، یہ امانت بہت گراں ہے، ممکن ہے میں اس کے اہل ثابت نہ ہوں۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا "اچھا تو تمہاری ضرورت کے مطابق ملتا رہے گا۔"

جس رات آپ نے یہ خواب دیکھا، اس کی صبح ایک شخص آیا اور ایک تھیلی نذر کی جس میں سو دینار تھے۔ اس کے چند دن بعد نواب حیدر آباد دکن کا وہ نمائندہ حاضر ہوا جو حجاج کرام کی خدمت پر مقرر تھا اور یہ خوشخبری سنائی کہ نواب صاحب نے آپ کے نام سے دو مکان خرید کر آپ کے حوالے کرنے کا فرمان بھیجا ہے۔

اس کے چند دن بعد ایک صاحب حاضر ہوئے اور ایک اور مکان آپ کی نذر کیا۔ روایت کے مطابق یہ وہ مکان تھا جس میں شیخ محی الدین ابن عربی نے قیام کیا تھا۔

اس جائیداد کے علاوہ فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور آپ فراغت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اب آپ نے خود کو عبادت اور تبلیغ و اصلاح کے کاموں کے لیے وقف کر دیا۔

شادیاں :

حاجی صاحب نے بوجوہ اب تک شادی نہ کی تھی۔ مکہ معظمہ آکر آپ نے تین خواتین سے نکاح کیا۔ یہ تینوں بیوہ تھیں۔ پہلا نکاح بعمر ۵۲ سال بی بی خدیجہ سے کیا۔ ان کا تعلق بنگال کے ایک سید خاندان سے تھا جو ہجرت کر کے مکہ معظمہ آ گیا تھا۔

اس خاتون کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح بی بی خیرالنساء سے کیا۔ یہ وہ خاتون تھیں جن کے ساتھ جوانی کی عمر میں حاجی صاحب کی منگنی ہوئی تھی، لیکن نکاح نہ ہو سکا تھا۔ بیوہ ہونے کے بعد یہ بھی مکہ معظمہ آگئی تھیں۔

تیسرا نکاح بی بی امۃ اللہ سے کیا۔ یہ خاتون حضرت حاجی صاحب کی خدمت پر مامور تھیں اور اس احتیاط کی بنا پر کہ نامحرم کو ہاتھ نہ لگے انھوں نے خود درخواست کی تھی کہ آپ مجھ سے نکاح کر لیں۔

ان خواتین میں بی بی خیرالنساء حاجی صاحب کے انتقال کے وقت زندہ تھیں، لیکن نابینا ہو گئی تھیں۔

اپنے ربّ کے حضور حاضری :

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتقال ۸۴ برس کی عمر میں ہوا۔ مرض اسہال موت کا بہانہ بنا۔ تاریخِ وفات ۱۲ جمادی الاوّل ۱۳۱۷ھ بیان کی جاتی ہے۔ اپنے اوصاف اور دینی خدمات کے باعث یقیناً وہ اسلام کے نامور سپوت تھے۔ خدا ان کی قبر کو منور کرے اور جنت میں اونچا درجہ عطا فرمائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی سربلندی کے لیے دن رات کوشش کی اور اللہ پاک نے ان کی اس کوشش کو قبول بھی فرمایا۔ یعنی وہ مقصد بڑی حد تک پورا ہوا جو ان کے پیش نظر تھا۔

جن لوگوں نے قرآن اور حدیث کی کتابوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی ہے اُنہیں یہ بات معلوم ہوگی کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو دُنیا سے ظُلم اور بے انصافی کا خاتمہ کرتا ہے اور نیکی کا راستہ دکھا کر انسانوں کو سچی عزت دیتا ہے۔ جس گروہ یا جس شخص نے بھی اس مقدس دین کے اصولوں کو اپنایا اُسے یہ فائدہ ضرور حاصل ہوا۔ اس کی زندگی ہر لحاظ سے کامیاب زندگی بن گئی اور اُسے دُنیا اور عقبیٰ دونوں میں سرخروئی حاصل ہوئی۔

تاریخ کی کتابیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ مُسلمان جب تک ان اچھے اصولوں پر عمل کرتے رہے سربلند اور ممتاز رہے۔ انہیں حکومت کی طاقت اور قوموں کی امامت کا منصب دیا گیا، لیکن بدقسمتی سے ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ خود مسلمانوں نے ہی ان اچھے اصولوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا، بلکہ اس سے بھی بڑی بُرائی یہ کی کہ اسلام کے نام پر بہت سی غیر اسلامی باتوں کو اپنا لیا اور قریب قریب اسی انداز سے زندگی گزارنے لگے جس طرح کافر قوموں کے لوگ زندگی گزارتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغل بادشاہوں کے آخری زمانے میں برِصغیر ہندوپاک کے مسلمان اس بُرائی میں بہت بڑھ گئے تھے۔ ان کے اندر اس قدر خرابیاں آگئی تھیں کہ اگر بروقت انہیں دُور کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو شاید اس مُلک سے مسلمانوں کا نام ہی مٹ جاتا۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یہ کوشش حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ آپ نے نہایت جُرأت اور قابلیت کے ساتھ ایک ایک خرابی کی نشاندہی کی، لوگوں کو بُرائی اور بھلائی کا فرق سمجھایا اور اس بات کا احساس دلایا کہ اگر تم نے اپنے آپ کو نہ سنوارا تو تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا، چنانچہ آپ کی ان کوششوں سے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جس نے اسلام کی تعلیم کو پھیلانے اور کھوٹ سے پاک کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی۔

خاندان :

حضرت شاہ ولی اللہ کا نسلی تعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے، تحقیق کرنے والے عالموں کی رائے کے مطابق صدیقِ اکبر کی ساتویں یا آٹھویں پُشت سرزمین عرب سے نکل کر عجم میں آباد ہوئی۔

قریب کے بزرگوں میں آپ کے دادا صاحب کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ ان کا اسمِ گرامی شاہ وجیہہ الدین تھا اور آپ مشہور مغل شہنشاہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی فوج میں ملازم تھے۔ اس زمانے کے حالات اور معاشرت ہمارے موجودہ زمانے سے بہت مختلف تھی۔ ہندوستان پر حکومت تو بیشک مسلمانوں کی تھی، لیکن اندرونی طور پر وہ بے حد کمزور ہو چکے تھے اور ان کی کمزوری کی وجہ سے غیر مُسلم قومیں اس کوشش میں مصروف ہوگئی تھیں کہ اس مُلک کی حکومت پر خود قبضہ کرلیں۔

ان کے علاوہ خود مسلمانوں میں بہت سے نواب اور جاگیردار یہ چاہتے تھے کہ مس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان کی جگہ سارا اختیار انہیں مل جائے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے ان حالات میں حکومت کے اختیارات سنبھالے اور یہ بات محسوس کی کہ اگر ان شورشوں کو پوری طرح نہ دبایا گیا تو نہ صرف مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ اس ملک میں بسنے والی مسلمان قوم ہی خطرے میں پڑ جائے گی۔ چنانچہ اس بہادر، زیرک اور اسلام سے محبت کرنے والے بادشاہ نے اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے بھرپور کوشش کی۔ ان باتوں پر غور کرتے ہوئے یہ اندازہ کرنا غلط نہیں کہ حضرت شاہ وجیہہ الدین کا فوج میں شامل ہونا صرف پیٹ پالنے کے لیے نہ ہوگا، بلکہ انہوں نے ایک اہم فرض سمجھ کر یہ پیشہ اختیار کیا ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب کے والدِ محترم کا اسمِ گرامی شاہ عبدالرحیم تھا۔ آپ اپنے زمانے کے بڑے عالموں میں گنے جاتے تھے۔ ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اللہ پاک نے انہیں کیسا پاکیزہ دل دیا تھا اس کا اندازہ ایک واقعے سے ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے مترجم مولانا عبدالرحیم صاحب نے اس کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں شہنشاہ اورنگ زیب فقہ اسلامی کی مشہور کتاب "فتاویٰ عالمگیری" مرتب کرا رہے تھے حضرت شاہ عبدالرحیم کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ عالموں کے اس بورڈ میں جو فتاویٰ عالمگیری مرتب کر رہے تھا ایک صاحب شیخ حامد بھی تھے، جو حضرت شاہ عبدالرحیم کے دوستوں میں تھے، انہیں ان کی پریشانی کا حال معلوم ہوا تو معقول تنخواہ مقرر کرا کے انہیں مؤلفین کی جماعت میں شامل کرانا چاہا۔ دیکھا جائے تو یہ ایک غیبی امداد تھی، لیکن اپنے خاص خیالات کی وجہ سے شاہ صاحب اس نوکری کو پسند نہ کرتے تھے۔ آپ نے صاف انکار کر دیا، لیکن مجبوری یہ آ پڑی کہ جب نوکری کی پیش کش اور شاہ صاحب کے انکار کا حال آپ کی والدہ صاحبہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہ نوکری اختیار کر لینے کا حکم دیا۔ والدہ صاحبہ کی حکم عدولی کسی طرح بھی ممکن نہ تھی۔ اس لیے آپ مجبور ہو گئے کہ یہ سرکاری ملازمت اختیار کر لیں، لیکن چونکہ اسے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول کے خلاف سمجھتے تھے اس لیے آخری چارۂ کار کے طور پر اللہ پاک کے حضور دُعا فرمائی کہ تُو مجھے اس آزمائش سے بچالے اور آپ کی یہ دُعا اس طرح قبول ہوئی کہ جب فہرست شہنشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے بغیر کسی خاص وجہ کے آپ کا نام کاٹ دیا اور یہ نوٹ لکھا کہ اگر وہ چاہیں تو حصولِ معاش کے لیے جاگیر دی جا سکتی ہے۔ شاہ صاحب تو پہلے ہی اس نوکری کے خلاف تھے، آپ نے سُنا تو اللہ کا شکر ادا کیا اور جاگیر لینے سے بھی انکار کر دیا۔

انہی محترم بزرگ کے ہاں ۴، شوال ۱۱۱۴ھ کو حضرت شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب دلی کے قریب پھلت نامی موضع میں رہتے تھے۔ آپ کی ولادت وہیں ہوئی۔

ذاتی حالات

ماں باپ نے حضرت شاہ صاحب کا نام قطب الدین تجویز کیا تھا، لیکن یہ نام مشہور نہ ہو سکا۔ ولی اللہ نام رکھے جانے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ بچپن ہی سے بے حد سنجیدہ اور نیک دل تھے۔ کھیل کود کی جگہ دین کی باتیں سیکھنے اور اپنی بساط کے مطابق ان پر عمل کرنے میں لگے رہتے تھے۔ آپ کی انہی خوبیوں کی وجہ سے گھر والے آپ کو ولی اللہ کہنے لگے اور یہ نام کچھ ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام کسی کو یاد ہی نہ رہا۔ ولی اللہ کے لفظی معنی اللہ کے دوست ہیں۔ ویسے یہ بزرگی کا ایک منصب بھی ہے۔ جو لوگ بُری باتوں سے بچ کر اپنے آپ کو سچا مسلمان بنا لیتے ہیں اور اپنی ساری قوتیں بھلائی کے کاموں میں صرف کرتے ہیں اللہ پاک انہیں یہ عزت عطا کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کی ہر دُعا قبول ہوتی ہے اور اچھے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔

ابتدائی تعلیم شاہ صاحب نے اپنے والد صاحب سے حاصل کی اور اپنی محنت، شوق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ذہانت کی وجہ سے صرف چودہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ اس موقع پر یہ بات بتانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس زمانے میں اس شخص کو فارغ التحصیل قرار دیا جاتا تھا، جو فقہ، فلسفہ، منطق، ادب اور کسی حد تک علم طب میں بھی کمال حاصل کر لیتا تھا۔

دینی اصولوں سے آپ کو کس قدر محبت تھی اس کا حال صرف اسی ایک بات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے سات سال کی عمر سے روزے کی پابندی شروع کر دی تھی۔

شادی :

جس وقت آپ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو خاندان ہی کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی کر دی گئی۔ اتنی کم عمر میں شادی ہو جانے کی بابت خود شاہ صاحب نے بیان کیا ہے کہ والد صاحب کو آئندہ پیش آنے والے کئی ایسے واقعات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر انہی دنوں یہ فرض انجام نہ دیا جاتا تو بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتیں۔ چنانچہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی دونوں خاندانوں میں بہت سی موتیں ہوئیں اور ان مرنے والوں میں خود حضرت شاہ صاحب کے والد محترم بھی تھے۔ ایسے اندازے کو مذہبی زبان میں کشف کہتے ہیں۔ یہ روحانی طاقت انسان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ ہر قسم کی برائیوں سے بچ کر اپنی زندگی کو اللہ پاک کے احکام کے سانچے میں ڈھال لے۔

والد صاحب کی جانشینی :

جس وقت آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوا آپ کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ اتنی کم عمر میں آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ کوئی بڑی گدی سنبھال سکے، لیکن آپ کو اللہ پاک نے غیر معمولی صلاحیتیں دی تھیں۔ علم میں یکتا ہونے کے ساتھ عمل میں بھی کامل تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان خوبیوں کی وجہ سے لوگوں نے مجبور کیا کہ آپ اپنے والد صاحب کی گدی سنبھالیں اور درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھیں، چنانچہ دستار بندی کے بعد آپ نے لوگوں کو دینی اور روحانی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

روحانی تعلیم سے مراد تصوف کی تعلیم ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اس زمانے کے ایک بزرگ شیخ ابوالقاسم کے مرید تھے اور خود حضرت شاہ صاحب نے اپنے والد کی بیعت کی تھی۔

اس موقع پر تصوف کے سلسلے میں ذرا سی وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس لیے چند باتیں لکھتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ مسلمانوں میں شروع سے ایک ایسا طبقہ رہا ہے جس کے افراد دنیاوی باتوں کے مقابلے میں دین کی باتوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان کو صوفیوں کا طبقہ یا گروہ کہتے ہیں۔

ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا سلسلہ مسلمانوں کی اس جماعت سے جڑا ہوا ہے جسے اصحابِ صفہ کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں کو دین کا علم سیکھنے کے لیے فارغ کر دیا تھا۔ یہ جماعت بہت مبارک اور مقدس تھی۔ تاریخ اسلام میں اس نے بڑے کارنامے انجام دیئے، لیکن آگے چل کر صوفیاء کے طبقے میں بہت بگاڑ پیدا ہو گیا۔ شاہ صاحب کے زمانے میں ایسے ہی صوفی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ پاک نے ہمیں اس لیے پیدا نہیں کیا کہ دُنیا کے کام دھندوں میں لگے رہیں بلکہ اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے اپنا سارا وقت عبادت میں صرف کریں اور دُنیا کے مال و اسباب سے دل نہ لگائیں۔ یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی۔ قرآن پاک میں بھی انسان کی زندگی کا یہی مقصد بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ پاک کی عبادت میں مصروف رہے اور اس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا کام جانے، لیکن اس سلسلے میں ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی کہ اس گروہ کے ایک بڑے حصے نے اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اور بہت سی باتوں کو بھی چھوڑ دیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقے سے زندگی گزاری تھی اور جس طریقے کو اپنانے کا حکم دیا تھا اس کے خلاف عیسائی راہبوں کی طرح خانقاہیں اور تکیے آباد کر کے رہنے لگے۔

جس شخص نے اسلام کی تعلیم پر معمولی سا غور بھی کیا ہے وہ یہ بات جانتا ہے کہ اس مقدس دین نے خودداری اور شرافت کی زندگی گزارنے کو خدا پرستی کا ضروری حصہ قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائز طریقے سے روزی حاصل کرے اور جائز کاموں میں لگائے اور ان تمام دنیاوی کاموں میں حصہ لے جن سے انسانی برادری کا نظام استوار ہوتا ہے اور تمدن کو ترقی ملتی ہے۔ یہ بات ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ خود تو حجرے میں بند ہو کر اللہ اللہ کرتا رہے اور دوسرے اس کی تمام ضرورتیں پوری کریں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم پر خود ہمارے جسم کا بھی حق ہے۔ عزیز رشتہ داروں کا بھی حق ہے اور خدا کا بھی حق ہے۔ اور سچا مسلمان وہی ہے جو ان تمام حقوق کو ادا کرتا ہے۔

ہمارے جسم کا حق یہ ہے کہ اسے تندرست اور آسودہ رکھنے کے لیے مناسب غذا کھائیں۔ صاف ستھرا لباس پہنیں اور تندرستی کے اصولوں کا خیال رکھتے ہوئے آرام بھی کریں۔

عزیزوں کا حق یہ ہے کہ ان کی مناسب امداد کریں۔ مثال کے طور پر بیوی اور بچوں کی ضروریات پوری کریں اور امداد کے مستحق لوگوں کو زکوٰۃ، صدقات اور قرض کی صورت میں امداد کریں۔

اللہ پاک کا حق یہ ہے کہ زندگی کے کسی لمحے میں بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ ہمارا خالق، یعنی پیدا کرنے والا ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔

اسی طرح اسلامی عبادت کا مفہوم بے حد مکمل اور وسیع ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اگر ایک شخص دن رات میں پانچ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت کی نماز ادا کرتا ہے۔ رمضان شریف کے روزے رکھتا ہے۔ مالدار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ نکالتا اور حج کا فرض ادا کرتا ہے تو اس کے پکا سچا مسلمان ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔

پھر اس دین نے نیکی اور بھلائی کے ہر کام کو عبادت میں شمار کیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی مریض کے لیے دوا لا کر دیتا ہے یا کسی کمزور کی امداد کرتا ہے تو اُسے ان کاموں کے بدلے نہ صرف اجر ملتا ہے بلکہ ان لوگوں سے زیادہ ثواب پاتا ہے جو دُنیا سے الگ تھلگ تنہا گوشوں میں بیٹھے اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب اور آپ کے بزرگوں کا یہی طریقہ تھا، وہ اسی طرح زندگی گزارتے تھے جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حُکم دیا ہے، ہاں مرید بننے بنانے کا سلسلہ جاری تھا اور وہ روحانیت کی تعلیم بھی دیتے تھے جو عین شریعت کے مطابق ہوتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی اسی طریقے کو اپنایا۔ آپ دین کی تعلیم بھی دیتے تھے اور عبادت کے وہ طریقے بھی سکھاتے تھے جن پر عمل کرنے کا حُکم دیا گیا ہے۔

حج کا سفر:

تقریباً دس گیارہ سال درس و تدریس کے سلسلے میں منہمک رہنے کے بعد آپ نے ۱۱۴۳ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کا ارادہ کیا اور مریدوں اور عقیدت مندوں کی ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر سمندری راستے سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہاں تقریباً ایک سال ٹھہرے اور حدیث کا علم پڑھانے والے مشہور عالموں سے اس علم کی تکمیل کی۔ اس سفر کے ایک سال بعد دوسری بار حج کا فرض اُدا فرمایا اور اس کے بعد یکسو ہو کر تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ صاحب کے زمانے میں مسلمانوں کی حالت:

اشارۃً تو یہ بات لکھی جاچکی ہے کہ بارہویں صدی ہجری میں جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا زمانہ ہے۔ برِصغیر ہند کے مسلمانوں کی حالت اچھی نہ تھی۔ اگرچہ بظاہر اس ملک پر انہی کی حکومت تھی، لیکن یہ سلطنت تقریباً ایسی تھی جیسے گھن کھائی ہوئی لکڑی ہوتی ہے۔ جس طرح ایسی لکڑی اوپر سے ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ مسلمان بھی مقتدر اور فارغ البال معلوم ہوتے تھے، لیکن اندرونی طور پر اُن کی حالت بہت خراب تھی، جس طرح گھن کھائی ہوئی لکڑی کو معمولی سی ضرب پاش پاش کر دیتی ہے اسی طرح مسلمانوں کا قصرِ اقتدار بے بنیاد تھا۔

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بے داغ بصیرت اور فولادی عزم سے حکومت کے گرتے ہوئے ستونوں کو استوار کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی مجاہدانہ کوشش ان خرابیوں کا ازالہ نہ کر سکی جو ہندوستانی مسلمانوں کے اخلاق و اعمال میں جڑ پکڑ چکی تھیں۔ بس اتنا ہوا کہ ان کی زندگی تک اس قصر کے در و بام سلامت رہے اور مخالفوں کی کوئی کوشش بڑے پیمانے پر کامیاب نہ ہو سکی۔

بات تو بہت لمبی چوڑی ہے، لیکن اختصار کے خیال سے ہم ان خرابیوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے مختصر طور پر ان کا حال بیان کرتے ہیں اور پھر یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے ان خرابیوں کو دُور کرنے کے لیے کس قدر کوشش فرمائی اور آپ کی ان مبارک مساعی کا کیا نتیجہ مرتب ہوا۔

۱۔ اس زمانے کے ہندی مسلمانوں میں پہلی اور بہت بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے اسلام کے سچے اصولوں کو چھوڑ کر بہت سی فضول باتوں کو اپنا لیا تھا۔ وہ بہت سے فرقوں میں بٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے اور ایک دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو نقصان پہنچانے ہی کو مذہب کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے تھے ۔

دوسری بہت بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ ان مردانہ اوصاف سے بڑی حد تک محروم ہو گئے تھے جو قوموں کو زندہ رکھتے اور ترقی کی منزل کی طرف بڑھاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر سادہ زندگی کی جگہ انہوں نے تکلف اور تعیش کو اپنا لیا تھا ——— معمولی آمدنی والے لوگ بھی شہزادوں کا سا لباس پہننے کی کوشش کرتے تھے ۔ ادھار قرض لے کر بھی اپنے گھروں کو خوب سجاتے تھے اور چٹ پٹے کھانوں کی نئی نئی ترکیبیں سوچتے رہتے تھے ۔ اس کے علاوہ وہ اس قدر کاہل اور بے پروا ہو گئے تھے کہ شجاعت، سخت کوشی اور صبر و استقلال کی صفات ان میں نام کو بھی نہ رہی تھیں ۔ کہنے کو ان میں بہادری اور شہ زوری کے بڑے بڑے مقابلے ہوتے تھے اور ان کے اکھاڑے خوب آراستہ رہتے تھے، لیکن یہ ساری باتیں محض نمائشی تھیں ۔ اپنے بہادر بزرگوں کی ایک صفت بھی ان میں باقی نہ تھی ۔ نہ جم کر کوئی مشکل کام کر سکتے تھے نہ صبر و استقلال اور تدبر سے اپنے مسائل حل کرنے کے قابل تھے ۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ان کوائف کا ذکر کیا ہے ۔ آپ نے لکھا ہے اوپر کے طبقے میں (جو ہر قوم کا جاندار طبقہ ہوتا ہے) زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جن کا گزارا سرکاری خزانے پر ہے ۔ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے شاہی خزانے کو لوٹتے رہتے ہیں اور اس طرح وہ روپیہ ان کی عیاشیوں کی نذر ہوتا رہتا ہے جو ملک اور قوم کی بہتری کے کاموں پر صرف ہونا چاہیے تھا ۔

شاہ صاحب کی اصلاحی کوششیں :

ہمارے زمانے کے مشہور عالم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے ایک مقالے میں اس بات پر حیرت ظاہر کی ہے کہ مسلمان قوم کے لیے جو دور اس قدر زوال کا تھا اس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ ولی اللہ جیسے بالغ نظر عالم کس طرح پیدا ہو گئے! غور کیا جائے تو مولانا کی یہ حیرانی اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ اللہ پاک نے حضرت شاہ صاحب کی ذات میں اس قدر خوبیاں اکٹھی کر دی تھیں کہ ہر طرح کی سہولت، ماحول کی پاکیزگی اور تعلیم و تربیت کے اعلیٰ اہتمام کے بغیر ان کا یک جا ہونا محالات میں سے ہے۔

آپ کی نگاہ دور رس، قوتِ فیصلہ بے داغ اور دل و دماغ خلوص کی روشنی سے جگمگائے ہوئے تھے۔ اور ان سب خوبیوں کے ساتھ ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ کو عمل کی بھرپور قوت ملی تھی۔

ان خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر جب آپ نے اپنے دور کے مسلمانوں کی حالت سنوارنے کا عزم فرمایا تو اللہ پاک نے ایسا سیدھا اور صاف راستہ دکھا دیا اور ایسے اچھے خیالات آپ کے ذہن میں القا فرمائے کہ مسلمان قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی پھر سلامتی کے ساحل کی طرف بڑھنے لگی اور گنتی کے چند برسوں میں سچے مسلمانوں کا ایک گروہ منظم ہو گیا جس نے حق و انصاف کی حفاظت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنا لیا اور اپنے فرائض کو ایسی عمدگی سے ادا کیا کہ دورِ اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

خدا کے فضل و کرم سے یہ گروہ اب تک موجود ہے اور اس بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی جو دینی سرگرمیاں پائی جاتی ہیں وہ حضرت شاہ صاحب کی اصلاحی تحریک کے اثر سے ہیں، چنانچہ انہی وجوہات کی بنا پر آپ کو بھی مجدد تسلیم کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کی حالت کو اچھا بنانے کا اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کے لیے آپ نے نہایت مؤثر انداز میں انہی دونوں خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش فرمائی جن کا گذشتہ اوراق میں ذکر کیا گیا ہے۔

وعظ و نصیحت، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ذریعہ بنا کر آپ نے سب سے پہلے مسلمانوں کے ان اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی جو بارہ تیرہ سو سال سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قوم کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے یہ زریں اصول پیش کیا کہ مسلمانوں کے بڑے فرقوں کے لوگ یہ ضد چھوڑ دیں، کہ صرف وہی راہِ راست پر ہیں۔ صاف ذہن کے ساتھ دین کی پوری تعلیم پر غور کریں اور ان تمام باتوں کو اپنا لیں جو قرآن پاک اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق ہوں۔ ایسی باتیں خواہ اپنے فرقے میں ہوں یا کسی اور گروہ میں۔

غور کیا جائے تو یہی وہ سنہری اصول ہے جس پر اس ملت کے تمام فرقے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ پاک نے سمجھ دی ہے وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ہماری سب سے بڑی مصیبت آپس کی ضد اور تعصب ہی ہے۔ ہر فرقہ اس بات پر تُلا ہوا ہے کہ جب تک پوری قوم انہی باتوں کو ٹھیک نہ مانے گی جنھیں وہ دُرست کہتا ہے وہ اختلاف کی تلوار بے نیام رکھے گا۔ یہ تعصب اور ضد بالکل ان جاہلوں کی سی ہے جو اسلام کے اقتدار سے پہلے دنیا کے لیے مصیبت بنے ہوئے تھے۔

اپنی اپنی بات منوانے اور ہر شخص کو اپنی عینک سے دیکھنے پر مجبور کرنے کی جگہ دُرست بات یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی طرف توجہ دلائی جائے اور نہ کہا جائے کہ عمرو ہمارا یا زید بکر، عمر کا کچھ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دین کے سچے اصول وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرماتے ہیں۔ ہمیں چاہیے متحد ہو کر ان اصولوں پر عمل کریں اور یوں قرآن کے اس حکم کو پورا کر دیں کہ اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑ لو۔

چونکہ اللہ پاک نے شاہ صاحب کو غیر معمولی صلاحیتیں دی تھیں اور آپ بہت بڑی روحانی قوت رکھتے تھے اس لیے آپ کی ان باتوں کا بہت اثر ہوا۔ سمجھ دار لوگ جاہلوں کے تکیوں اور فساد کے اکھاڑوں سے نکل کر آپ کے حلقۂ درس کی زینت بننے لگے اور قرآن اور حدیث کی صحیح تعلیم سے اپنے سینوں کو منوّر کرنے لگے۔

اس سلسلے میں آپ نے ایک خاص نکتہ یہ سامنے رکھا کہ دین کی باتوں کو زیادہ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسان انداز میں بیان کیا جائے اور لوگوں کو یہ سمجھایا جائے کہ دینِ اسلام ان پر کوئی ایسا بوجھ نہیں لادتا جسے اٹھایا ہی نہ جا سکے، بلکہ چند نہایت آسان اور سادہ سے اصولوں پر عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ سب کے سب اصول ایسے ہیں کہ انہیں اپنانے سے خود ان کی زندگی سنور جائے گی۔ انہیں دنیا میں بھی عزت ملے گی اور آخرت میں بھی سرخرو رہیں گے۔

اس خاص نکتے کی قیمت اس لحاظ سے بہت ہی زیادہ ہے کہ اس زمانے میں لوگوں نے دین کی باتوں کو بہت ہی مشکل بنا لیا تھا۔ ایک عام آدمی جب ان پابندیوں پر غور کرتا تھا تو اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں ان پر صرف اس صورت میں عمل کر سکتا ہوں کہ دُنیا کے سارے کام دھندے چھوڑ دوں اور خود کو ہر قسم کی آسائش سے محروم کر لوں۔ حضرت شاہ صاحب نے اسلام کے پاکیزہ اصولوں کی ایسے دلنشیں انداز میں تشریح کی اور ایسی قابلیت سے فالتو باتوں کو اُن سے الگ کیا کہ ہر سمجھ دار شخص انہیں عمل کے قابل سمجھنے لگا اور آہستہ آہستہ وہ وحشت کم ہو گئی جو لوگوں کو دین سے دُور لے جا رہی تھی۔

طریقِ کار:

یہ بڑا مقصد حاصل کرنے کے لیے حضرت شاہ صاحب نے بحث مباحثے کا کوئی اکھاڑا آراستہ نہیں کیا۔ شہرت، نیک نامی اور دنیاوی فائدوں کے خیال سے الگ اور کسی نئے فرقے کی داغ بیل ڈالے بغیر لوگوں کے سامنے قرآن اور حدیث کی سچی باتیں پیش کیں۔ سخت محنت برداشت کر کے بہت سی کتابیں لکھیں اور ان کتابوں میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ کسی عالم یا کسی درویش یا صوفی کو اپنا رہنما ماننے کی جگہ ہر فرقے کے مسلمان اللہ کے سچے رسُول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نجات دہندہ مانیں اور آپ ہی کے احکام پر سچے دل سے عمل کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی پوری تاریخ میں ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ جب بھی کسی شخص نے مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی اس کے ماننے والوں کا ایک خاص حلقہ پیدا ہو گیا اور اس طرح دوسروں کو برا بھلا کہنے اور دین کے نام پر لڑائی جھگڑا کرنے والوں کا ایک نیا فرقہ بن کر ان لوگوں نے قوم کی مصیبتوں میں اور اضافہ کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے گرد ایسا کوئی گروہ اکٹھا نہیں ہونے دیا۔ آپ تمام مسلمانوں کے خیر خواہ رہے اور ہر فرقے کے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی طرف بلاتے رہے۔

یہ فرض انجام دیتے ہوئے آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ صدیوں سے اپنے غلط مذہبی عقیدوں پر جمے ہوئے جاہل خم ٹھونک کر آپ کے سامنے آ گئے۔ اپنے بزرگوں کی رسموں اور رواجوں کو ہی اصل دین خیال کرنے والے لوگوں نے بار بار آپ پر حملے کیے، لیکن آپ نے ان میں سے کسی کو اپنا مدِ مقابل خیال نہیں فرمایا۔ جوابی حملہ کرنے کی جگہ ایسے لوگوں کو ذہنی مریض خیال کیا اور ایک ہمدرد طبیب کی طرح ان کی بھلائی کے کاموں میں لگے رہے۔

درس و تدریس اور دوسرے ضروری کاموں کے بعد جو وقت بچتا تھا آپ اسے تصنیف و تالیف کے کام میں صرف فرماتے تھے۔ اس قدر مصروف زندگی میں آپ نے جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان میں حجۃ اللہ البالغہ جیسی بلند پایہ اور ضخیم کتاب[1] بھی ہے۔

[1] قومی کتب خانہ لاہور نے دو حصوں میں اس کتاب کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ یہ کتاب بہت عمدہ طریقے سے چھاپی گئی ہے۔ ظاہری خوبصورتی کے علاوہ اس کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ محترم مصنف کی طرح اس کے مترجم مولانا عبدالرحیم سرحدی مرحوم بھی بہت قابل اور درد دل رکھنے والے بزرگ تھے۔ نیز کئی اور اداروں نے بھی اس کتاب کے اردو تراجم شائع کیے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفات :

۱۱۳۱ھ سے لے کر ۱۱۷۶ھ تک تقریباً ۴۵ سال نہایت مفید علمی اور مذہبی خدمات انجام دینے کے بعد آپؒ نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ سنِ پیدائش اور سنِ وفات کے حساب سے آپ کی عمر ۶۲ سال بنتی ہے اور فرصتِ زندگی کا ہر لمحہ آپ کے ولیٔ کامل اور محبِ اسلام ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

اولاد :

حضرت نوح علیہ السلام کی مثال کو سامنے رکھا جائے تو اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے حد مخلص، قابل اور نیک لوگ سعادت مند اولاد سے محروم رہتے ہیں، لیکن اللہ پاک نے اس سلسلے میں آپ پر خاص فضل فرمایا۔ آپ کے چار صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے اور ان میں ہر ایک روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کے ان فرزندانِ سعید کے نام یہ ہیں :

(۱) حضرت شاہ رفیع الدّین (۲) حضرت شاہ عبد القادر (۳) حضرت شاہ عبد العزیز
(۴) حضرت شاہ عبد الغنی۔

حضرت شاہ رفیع الدین کو اللہ پاک نے یہ شرف بخشا کہ آپ نے فارسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ اسی طرح حضرت شاہ عبد القادر نے اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ حضرت شاہ عبد العزیز نے درس حدیث کے ذریعے بیش بہا خدمات انجام دیں اور شاہ عبد الغنی کو اللہ پاک نے یہ عزت دی کہ ان کے ہاں حضرت شاہ اسمٰعیل جیسا نامور فرزند پیدا ہوا۔ خانوادۂ ولی اللہ کے اس عظیم فرزند نے بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے خلعتِ شہادت زیب تن کیا۔ یہ تحریک وہ مقاصد تو حاصل نہ کر سکی جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشِ نظر تھے، یعنی انگریزوں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلموں کی طاقت توڑ کر اس ملک کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی ملک بنانا، لیکن اس کے اثرات ایک تسلسل کے ساتھ باقی رہے۔ اور یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ برصغیر ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کا قیام اسی کا نتیجہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

قوموں کے لیے سب سے بڑی ذلت اور سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ کسی اور قوم کے لوگ ان کی حکومت کے اختیارات سنبھال لیں۔ اس حالت کو غلامی کی زندگی کہتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں بعض بے دقوف اور بے غیرت لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر مذہبی عبادات کی آزادی ہو اور روزگار کے مواقع میسر ہوں تو کسی اور قوم کے لوگوں کا حاکم بن جانا غلامی نہیں۔ دوسروں پر حکومت کرنے والے لوگ بھی زور شور سے یہی پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے غلامی کی زندگی تو دراصل وہ تھی جب کمزور لوگوں کو زنجیروں میں جکڑ کر غلاموں کی منڈیوں میں لے جاتے تھے اور جانوروں کی طرح بیچ ڈالتے تھے۔

یہ لوگ اپنی بے غیرتی کو چھپانے کے لیے چاہے کچھ بھی کہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ کسی غیر قوم کا حاکم بن کر سارے اختیار اپنے قبضے میں لے لینا غلامی ہی ہے۔ زمانے کے حالات بدل جانے کی وجہ سے اس کی ظاہری صورت میں تھوڑا سا فرق ضرور آ گیا ہے، کمزور لوگوں کو زنجیروں میں باندھ کر فروخت نہیں کیا جاتا، لیکن نتیجے کے لحاظ سے پرانے زمانے کی اس خوفناک غلامی اور نئے زمانے کی اس غلامی میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ پرانے زمانے کے ظالم لوگ بھی کمزوروں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم کر دیتے تھے اور ان کی صلاحیتوں سے خود فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس زمانے کی ایسی قومیں بھی یہی کرتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب وہ کسی قوم کو محکوم بنا لیتی ہیں تو انہیں ہر بات میں اپنی مرضی کے مطابق چلاتی ہیں، یہاں تک کہ ان کا دین تک محفوظ نہیں رہتا۔ اپنے زرخرید لوگوں کی معرفت وہ اس میں من مانی تبدیلیاں کراتی اور آپس میں لڑاتی ہیں۔

بدقسمتی سے برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں پر کچھ عرصہ پہلے ایسا ہی برا وقت آ گیا تھا۔ کوئی دو سو سال پہلے کی بات ہے، اس برصغیر کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں ہی کی حکومت تھی۔ یہ حکومت ان بزرگوں کی نیکیوں کی وجہ سے ملی تھی جو اللہ کا سچا دین اسلام پھیلانے کے لیے گھروں سے نکلے تھے اور جن کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ دنیا سے برائی کا نام و نشان مٹا دیں۔ مسلمانوں نے جب ان کے طریقوں کو چھوڑ دیا اور کافروں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے تو ان سے حکومت کے اختیار چھن گئے۔

مسلمانوں کی حکومت چھیننے کے لیے دو طرف سے حملہ ہوا۔ پہلا حملہ انگریز قوم نے کیا۔ یہ قوم اس برصغیر میں سوداگری کا سامان لے کر داخل ہوئی تھی اور مسلمان بادشاہوں نے اسے ہر طرح کی رعایتیں دی تھیں۔ جب انگریزوں نے دیکھا اس ملک کے حاکم اس کی حفاظت کی طرف سے غافل اور عیش و عشرت میں غرق ہیں تو انہوں نے اس پر قبضہ کرنے کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔

دوسرا حملہ ہندوستان میں بسنے والی ان قوموں کی طرف سے ہوا جو اسلام کے سوا اور مذہبوں کو ماننے والی تھیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی حکومت میں یہ قومیں برابر کی حصہ دار تھیں۔ ان کے قابل لوگوں کو مسلمان بادشاہوں نے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا اور مذہب کے معاملے میں بھی انہیں پوری پوری آزادی حاصل تھی، مسلمان ان کی عبادت گاہوں کی نہ صرف حفاظت کرتے تھے، بلکہ نئی عبادت گاہیں بنانے اور خاص خاص مذہبی مقامات کا انتظام ٹھیک رکھنے کے لیے مالی امداد بھی دیتے تھے، لیکن اس اچھے سلوک کے باوجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان قوموں میں زیادہ لوگ ایسے تھے جو مسلمانوں سے خوش نہ تھے۔ ان کی حکومت کا خاتمہ کر کے اپنی حکومتیں قائم کرنا چاہتے تھے۔ مذہبی تعصب کے علاوہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان سچے مسلمان نہ رہے تھے۔ انھوں نے اپنی موروثی بادشاہتیں قائم کرلی تھیں۔

ہندوستان میں بسنے والی ان قوموں میں مرہٹوں اور سکھوں کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ مرہٹوں نے بمبئی اور سورت کے علاقے میں اور سکھوں نے پنجاب میں اپنی حکومتیں قائم کرلیں۔ چونکہ یہ حکومتیں یہ کہہ کر قائم کی گئی تھیں کہ مسلمان ظالم ہیں اور زبردستی ہمارے ملک میں گھس آئے ہیں، اس لیے مسلمانوں کے خلاف ان لوگوں کے دلوں میں بہت زیادہ نفرت اور غصہ تھا۔ اگر مسلمان ایسے ہی ہوتے تو یہ نفرت اور غصہ ٹھیک مانا جاتا، لیکن یہ تو کھلا جھوٹ تھا۔ انھوں نے صرف اپنی حکومتیں قائم کرنے کے لیے سیدھے سادے لوگوں کو بھڑکایا تھا۔ اگرچہ اس زمانے کے مسلمان دورِ اوّل کے مسلمانوں جیسے نہ تھے کہ ان کے عمل سے اسلام کی صداقت ظاہر ہوتی اور وہ خلقِ خدا کے محسن نظر آتے، لیکن رواداری اور غیر مذاہب کے لوگوں سے حسنِ سلوک کی خوبیاں اُن میں بھی تھیں۔ انھوں نے قابل غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدے دیے تھے۔ شروع میں آنے والے مسلمان غیر ملکوں کے رہنے والے ضرور تھے، لیکن انھوں نے اس ملک کو اسی طرح اپنا اصلی وطن بنا لیا تھا جس طرح ان سے پہلے وسط ایشیا سے آنے والی آریہ قوم یہاں بس گئی تھی، اگر کسی غیر ملک سے آکر یہاں آباد ہونا ایسا ہی مجرم تھا تو سب سے بڑے مجرم خود وہ لوگ تھے جو مسلمان کو غیر ملکی بتاتے تھے۔

اسی طرح مسلمانوں پر یہ الزام بھی بالکل غلط تھا کہ وہ ظلم اور بے انصافی کرتے ہیں۔ اگر مسلمان واقعی ایسے ہوتے تو اپنی حکومت کے سات آٹھ سو برسوں میں اس ملک کے اندر غیر مذہب والوں کی ایک عبادت گاہ بھی نہ چھوڑتے اور تلوار گھما کر ان سب کو زبردستی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان بنا لیتے۔ اس کے خلاف انہوں نے تو دوسرے مذہب والوں کی پوری پوری عزت کی تھی اور انہیں اپنی حکومت میں حصہ دار بنا لیا تھا۔

غیر مذہب والوں کی کچھ عبادت گاہوں کو اُن کے ہاتھوں نقصان ضرور پہنچا تھا، جیسے سومناتھ کا مندر، لیکن یہ سب کچھ لڑائی کے دنوں میں ہوا تھا اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ لڑنے والے لوگوں نے ان عبادت گاہوں کو جنگی قلعے بنا رکھا تھا۔ علاوہ ازیں لڑائی کے دنوں میں عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے، اس کی تازہ مثال ۱۹۴۷ء کے فسادات کے واقعات ہیں۔ جب پاکستان بنانے کے معاملے پر ہندو مسلمانوں میں جھگڑا چل رہا تھا تو بہت سی عبادت گاہوں پر بم پھینکے گئے اور عبادت کرنے والے لوگوں کو قتل کیا گیا۔ خاص طور سے مسجدوں پر ایسے حملے بہت زیادہ ہوئے، چنانچہ ان خوفناک فسادات کے تقریباً سولہ سترہ سال بعد ۱۹۶۳ء تک جب ہم یہ سطور لکھ رہے ہیں پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں ایسی بہت سی عبادت گاہیں ویران پڑی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جنہیں لوگ گھروں کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ انگریزوں کی حکومت کے زمانے کی ایک مثال لاہور کی مسجد شاہ چراغ ہے جو ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو دی گئی۔ پہلے اسے دفتر کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ خاص بھارت میں سکھوں کے گولڈن ٹیمپل پر بھارتی فوج نے چڑھائی کی اور اسے نقصان پہنچایا۔

مسلمانوں پر ظلم:

انصاف کی بات تو یہ تھی کہ جس طرح مسلمانوں نے اپنی حکومت کے دور میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا اور انہیں پوری پوری مذہبی آزادی دی تھی، ہندوستان کی یہ نئی غیر مسلم حکومتیں ان کے ساتھ انصاف کرتیں اور ان کے حقوق کی حفاظت کی جاتی، لیکن ایسا نہ ہوا، خاص طور سے پنجاب کے سکھوں نے اس سلسلے میں بہت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادتی کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستایا، یہاں تک کہ مسجدوں میں اذان دینے پر بھی پابندی لگا دی۔

یہ زمانہ وہ تھا جب انگریزوں نے ہندوستان کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اور مغلیہ خاندان کا آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر ان کے سامنے بالکل بے بس ہو گیا تھا۔

جن لوگوں میں غیرت نہیں ہوتی وہ تو ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور ہر قسم کی بے غیرتی کو گوارا کر لیتے ہیں، لیکن باہمت اور باغیرت لوگ اپنی بے عزتی کو گوارا نہیں کرتے۔ خاص طور سے غلامی کی زندگی تو انہیں کسی قیمت پر قبول نہیں ہوتی۔

ہندوستان میں مسلمان قوم پر یہ بُرا وقت آیا تو اس قوم کے غیرت مند لوگوں نے اپنی کھوئی ہوئی عزت اور آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں دو طرح کی کوششیں ہوئیں۔

۱۔ کچھ بزرگوں نے تحریر اور تقریر یعنی وعظ کہہ کر اور کتابیں لکھ کر ان بُرائیوں کو دُور کرنے کی کوشش کی جو مذہب میں شامل ہو گئی تھیں اور جو دراصل اس ساری مصیبت کا سبب تھیں۔ ان بزرگوں میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نام چاند اور سورج کی طرح چمکتے ہیں۔

۲۔ کچھ باہمت لوگوں نے جہاد کر کے یعنی تلوار کی طاقت سے ان برائیوں کو دُور کرنے کی کوشش فرمائی۔ بعض لوگ اس دوسری کوشش کو تشدد خیال کرتے ہیں، لیکن زندگی کے اسلامی فلسفے میں قلم اور زبان کی طرح تلوار استعمال کرنا بھی ضروری ہے اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ بُرائی میں بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے بعض لوگوں کے دل ایسے سخت ہو جاتے ہیں اور بُرائی کرنے میں اُن کی جرأت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ زبانی کی گئی نصیحتوں کی بالکل پروا نہیں کرتے۔ وہ صرف تلوار کی زبان ہی سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ مسلح ہو کر حملہ آور ہوتے ہیں جیسے مکّہ کے مشرک مدینہ پر حملہ آور ہوتے تھے اور مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ میدانِ جنگ میں ان کا مقابلہ کریں۔

ایسے لوگوں کا زور نہ توڑا جائے تو دُنیا فساد کا گھر بن جائے۔ چنانچہ اسی لیے اسلام نے ایسے لوگوں سے لڑنے کو ضروری بتایا ہے۔ اس کا نام جہاد رکھا ہے اور یہ ہمارے دین کی رُو سے ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس سلسلے میں صرف اس قدر احتیاط کی ضرورت ہے کہ مسلمان دُنیا کا فائدہ حاصل کرنے اور اپنی حکومت کو بڑھانے کے لیے نہ لڑیں۔ بلکہ ان کی تلوار صرف ظالموں اور بے انصافوں کے خلاف اُٹھے۔

ہندوستان میں اس دوسرے گروہ کے دو بزرگوں حضرت سیّد احمد بریلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیل دہلوی کے نام سب سے اوپر لکھنے کے قابل ہیں۔ برِّصغیر ہند و پاک میں ایک سچی اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے انہی دونوں بزرگوں نے کوشش فرمائی اور اس اچھے مقصد کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

حالاتِ زندگی :

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ۱۷۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت شاہ ولی محدث دہلوی کے پوتے اور حضرت شاہ عبدالغنی کے صاحبزادے تھے۔ آپ ابھی نو عمر ہی تھے کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے آپ کی تربیت اور تعلیم حضرت شاہ عبدالقادر کے سائے میں تھی جو آپ کے حقیقی چچا تھے۔ شاہ عبدالقادر وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اُردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔

شاہ اسمٰعیل کو اللہ پاک نے بہت اچھا ذہن عطا کیا تھا۔ استاد کی زبان سے جو بات ایک بار سُن لیتے تھے پوری طرح یاد ہو جاتی تھی۔ اس لیے آپ تعلیم کی طرف کم توجہ دیتے تھے، تھوڑی دیر جماعت میں بیٹھتے اور موقع پا کر کھیلنے کے لیے نکل جاتے۔ ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار استاد صاحب نے اس بات پر ٹوکا تو آپ نے فرمایا۔ آپ نے اب تک جو کچھ پڑھایا ہے مجھے حرف بہ حرف یاد ہے۔ اس پر استاد صاحب نے امتحان لینے کے لیے آپ سے ایک سبق سُنا، آپ نے فرفر سُنا دیا اور یہ قابلیت دیکھ کر استاد کو اطمینان ہو گیا۔

اس قابلیت کی وجہ سے آپ نے بہت جلد فضیلت کی سند حاصل کر لی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اللہ پاک نے آپ کو ایسی مہارت اور قابلیت دی تھی کہ جس مسئلے کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا فوراً اس کا جواب دے دیتے تھے اور آپ کا جواب ایسا ہوتا تھا کہ بڑے بڑے عالم حیران رہ جاتے تھے۔ ایسی قابلیت دیکھ کر بعض لوگوں کو شک ہوتا تھا کہ شاید کوئی اور شخص آپ کو ان باتوں کے بارے میں سکھا دیتا ہے، چنانچہ بعض اوقات راستہ چلتے ہوئے آپ کو روک کر آپ کو کوئی مشکل سوال پوچھا جاتا اور آپ نہایت آسانی سے اس کا جواب دے دیتے۔

جیسا کہ ہم نے بتایا آپ کا خاندان ایک بہت بڑا مذہبی اور علمی خاندان تھا۔ آپ کے بزرگ مدّت سے دین کی خدمت کر رہے تھے۔ شاہ صاحب نے بھی اسی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنایا۔

اس زمانے میں سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ دین میں جو کھوٹ شامل ہو گیا ہے اُسے نکال کر اُسے کھرے سونے کی طرح کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں آپ نے ان رسموں کو مٹانے کے لیے خاص طور سے کام کیا جو مسلمانوں نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی اختیار کر لی تھیں اور انہیں مذہب کا درجہ دے دیا تھا۔

اعلیٰ درجے کی قابلیت کے ساتھ شاہ صاحب کی جسمانی صحت بھی بہت اچھی تھی آپ کو فوجی کرتب سیکھنے اور ورزش کا خاص شوق تھا۔ تیرنے کی اس قدر مشق کی تھی کہ چڑھے دریا میں نہایت آسانی سے میلوں تیر سکتے تھے۔ اپنے اندر برداشت کی قوت پیدا کرنے کے لیے آپ دلّی کی شاہی مسجد کے رنگین فرش پہ دوپہر کے وقت گھنٹوں ننگے پیر ٹہلا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے۔ یوں آپ کی ذات میں وہ ساری خوبیاں جمع ہوگئی تھیں جو ایک سچے مسلمان میں لازمی طور پر ہونی چاہئیں، یعنی آپ روحانی طور پر بھی پوری طرح صحت در تھے اور جسمانی طور پر بھی۔

حضرت سیّد احمد بریلوی سے ملاقات:

جس زمانے میں حضرت اسمٰعیل شہیدؒ دلی میں اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاح کا کام کر رہے تھے بریلی کے ایک سیّد خاندان کے عالم حضرت سیّد احمدؒ نے حضرت شاہ اسمٰعیل کے خاندان کے ایک بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز سے تعلیم حاصل کی تھی اور تعلیم کی تکمیل کے بعد ایک مسلمان رئیس کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ جس زمانے میں آپ فوجی خدمات انجام دے رہے تھے آپ کو پنجاب کے مسلمانوں کی زبوں حالی کا علم ہوا۔ کابل سے آنے والے ایک سوداگر نے آپ کو یہ واقعہ سنایا کہ جب ہم سفر کر رہے تھے ایک جگہ ہم نے چند عورتوں کو کنوئیں پر پانی بھرتے ہوئے دیکھا۔ ہم پیاسے تھے اس لیے ان کے پاس گئے اور اشارے سے کہا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ ہمارا خیال تھا پنجاب کی رہنے والی یہ عورتیں ہماری زبان نہ سمجھ سکیں گی، لیکن ایک عورت نے بتایا کہ ہم کابل کی رہنے والی ہیں، سکھ ہمیں زبردستی اٹھا لائے ہیں اور اب ہم اس بُری حالت میں زندگی گزار رہی ہیں۔

یہ حالات سُن کر حضرت سیّد احمد بریلوی نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہوگا ان مظلوموں کو نجات دلائیں گے۔ ملازمت کا سلسلہ ترک کر کے آپ نے بستی بستی پھر کر لوگوں کو جہاد کرنے کے لیے تیار کرنا شروع کیا اور ضروری سامان اکٹھا کرنے لگے۔ اس سلسلے میں آپ دلی بھی تشریف لائے۔ یہاں حضرت شاہ اسمٰعیل سے ملاقات ہوئی اور شاہ صاحب نے بھی اس ضروری کام میں شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ ۱۸۲۰ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بات ہے۔

حج کا سفر:

حضرت مولانا سید احمد بریلوی کے مرید بننے کے ایک سال بعد ۱۸۲۱ء میں آپ نے حج کا فرض ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور لوگوں کو اس کا علم ہوا تو بہت سے عقیدت مند ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے اور اللہ کے خاص بندوں کا یہ قافلہ خیر و خوبی کے ساتھ اس مبارک سفر پر روانہ ہو گیا۔

شاہ صاحب نے حج کا فرض ادا کرنے کے علاوہ عرب کے بڑے بڑے عالموں سے ملاقاتیں کیں اور عراق اور شام وغیرہ ملکوں میں جا کر وہاں کے حالات کا مطالعہ کیا۔ آپ تین سال بعد وطن لوٹے۔

جہاد کی تیاری:

حج کا فرض ادا کرنے کے بعد آپ یک سُو ہو کر جہاد کی تیاری میں لگ گئے۔ یہ کام جس قدر دشوار تھا ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ حکومت کی مخالفت کے علاوہ آپ کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ یہ آئی کہ اس زمانے کے بعض عالموں نے آپ کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ ان میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو مذہبی باتوں میں بعض اختلافات کی وجہ سے شاہ صاحب کی مخالفت کرتے تھے۔ ان کی مخالفت نیک نیتی کی بنا پر تھی، لیکن زیادہ ایسے تھے جو اپنے ذاتی فائدوں کو خطرے میں دیکھ کر اُن کے دشمن بن گئے تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے بگڑے ہوئے عقیدوں کی وجہ سے انہیں خوب لوٹتے تھے۔

شاہ صاحب نے اسلام کی صحیح باتیں پیش کر کے نام کے مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کوشش کی تو ایسے لوگوں کو اپنا حلوہ مانڈہ خطرے میں نظر آیا اور انہوں نے یہ کہہ کر عوام کو آپ کے خلاف بھڑکایا کہ نعوذ باللہ آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ویسا ادب نہیں کرتے جیسا ادب ایک سچے مسلمان کو کرنا چاہیے، حالانکہ سچی بات یہ تھی کہ آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لائے ہوئے دین اسلام ہی کی عزّت بڑھانے کے لیے کوشش کر رہے تھے، آپ کی آرزو یہ تھی کہ دوسری قوموں نے مسلمانوں پر جو غلبہ پا لیا ہے وہ ختم ہو جائے اور یہ قوم پہلے کی طرح آزاد اور معزز بن جائے۔

اس سلسلے میں ایک بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے اور ہمارا خیال ہے اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے کہ اصل میں یہ فتنہ انگریز سیاست والوں نے کھڑا کیا تھا۔ اگرچہ شاہ صاحب نے ابھی تک خاص ان کی حکومت کے خلاف کچھ نہ کہا تھا، لیکن وہ اندازہ کر رہے تھے کہ اگر مسلمان قوم اپنے ان مخلص رہنماؤں کے بتائے ہوئے راستے پر چل نکلی اور اپنی بُرائیاں دُور کر کے طاقتور ہو گئی تو بالآخر اس مُلک سے ہماری سلطنت کا بھی جنازہ نکل جائے گا، چنانچہ ان سیاستدانوں نے اپنے مطلب کے کچھ آدمیوں کے ذریعے اسلام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان سچے شیدائیوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔

کسی نے کہا ہے چاند کی طرف خاک اڑانے سے اس کا رنگ میلا نہیں ہوتا، ان مخالفوں کی مخالفت بھی بے نتیجہ رہی جن مسلمانوں کے دل میں اسلام کی سچی محبّت تھی۔ وہ شاہ صاحبؒ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور جہاد کی تیاری کرنے لگے۔

سچائی کا اثر:

اللہ پاک نے حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان میں ایسا اثر دیا تھا کہ جو شخص پوری توجّہ سے ایک بار آپ کی باتیں سن لیتا تھا وہ اپنی بُرائیاں چھوڑ کر پکّا سچا مسلمان بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ خود سچے مسلمان تھے اور لوگوں سے صرف انہی باتوں پر عمل کرنے کو کہتے تھے جن پر خود عمل کرتے تھے، یہ بات ہم نے اس لیے خاص طور سے لکھی ہے کہ اگر ہم بھی اس طریقے کو اپنا لیں یعنی خود پکے سچے مسلمان بن جائیں اور پھر دوسروں کو اچھائی کی طرف بلائیں تو اللہ پاک ہماری باتوں میں بھی ویسا ہی اثر دے دے گا۔

اس سلسلے میں بہت سے دلچسپ واقعے بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ شاہ صاحب دلی کی ایک مشہور طوائف کے کوٹھے پر تشریف لے گئے اور اُسے بُرائی کی زندگی چھوڑ کر نیکی کی زندگی اختیار کرنے کی نصیحت کی۔

طوائف اُن عورتوں کو کہا جاتا ہے جو انسانی برادری کے عام دستور کے مطابق کسی ایک مرد سے شادی کر کے گھر نہیں بساتیں، بلکہ کھلم کھلا گناہ اور بے حیائی کی زندگی اختیار کر لیتی ہیں۔ ایسی عورتوں کے ٹھکانوں پر گناہ میں ڈوبے ہوئے لوگوں کا جھمگٹا رہتا ہے اور وہاں نیکی اور سچائی کی بات پر کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن جب اس طوائف نے حضرت شاہ صاحب کی باتیں سُنیں تو اُس نے اپنی اس گناہ کی زندگی سے فوراً توبہ کر لی۔

اس واقعے سے ہمیں ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ پاک نے ایمان کا نُور دیا ہے وہ گناہ کی زندگی میں پھنسے ہوئے لوگوں سے نفرت نہیں کرتے۔ نہ اُن کے بُرے بُرے نام رکھ کر انہیں ذلیل کرتے ہیں، بلکہ سچے ہمدرد بن کر ان کے پاس جاتے ہیں اور پیار و محبت سے انہیں سمجھاتے ہیں، بالکل یُوں جیسے کوئی حکیم یا ڈاکٹر کسی مریض کا علاج کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاد شروع ہوگیا:

۱۸۲۰ء سے ۱۸۲۵ء تک نہایت صبر، محنت اور استقلال سے جہاد کی تیاری کرنے کے بعد جب ان دونوں رہنماؤں (حضرت سیّد احمد بریلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیل) نے یہ اندازہ لگالیا کہ اب ہمارے پاس کافی سامان اکٹھا ہوگیا ہے اور کافی تعداد میں ایسے لوگ جمع ہوگئے ہیں جو خوشی خوشی اللہ کے راستے میں جان دے دیں گے تو انہوں نے جہاد کا اعلان کر دیا۔

سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ان بزرگوں نے میدانِ جہاد کا نقشہ یہ بنایا کہ دلی سے چل کر اس علاقے میں پہنچ جائیں جو افغانستان سے ملا ہوا ہے۔ وہاں جاکر افغانستان کے بادشاہ اور ان سرداروں سے امداد حاصل کریں جو اگرچہ پنجاب کی سکھ حکومت کے اثر میں تھے، لیکن اپنے علاقوں پر پورا پورا قبضہ رکھتے تھے۔

جو لوگ اس زمانے کے ہندوستان کے تمام حالات کا اندازہ کرسکتے ہیں وہ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کا زور توڑنے کے لیے لڑائی کا ایسا نقشہ تھا کہ کوئی قابل سے قابل فوجی جرنیل بھی اس سے بہتر نقشہ نہ بنا سکتا تھا۔ اگر یہ کوشش کامیاب ہوجاتی تو معمولی سے عرصے میں پنجاب فتح ہوجاتا اور اس کے بعد نہایت آسانی سے پورے ہندوستان کو آزادی نصیب ہوجاتی، لیکن افسوس ان قابل اور مخلص رہنماؤں کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ ہمارے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ محترم رہنما مسلمان قوم کو جو عزت دینا چاہتے تھے ابھی وہ اس کی حق دار نہ بنی تھی۔ اللہ پاک کی مشیّت یہ تھی کہ اسے سو سوا سو سال غیر قوم کی غلامی کا مزہ چکھایا جائے اور جب اُسے غلامی اور آزادی کا فرق معلوم ہوجائے تب آزادی دی جائے۔

کوئی مانے یا نہ مانے، لیکن اللہ پاک کا قانون یہی ہے کہ زمین کا وارث صرف انہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو بنایا جاتا ہے جو نیک اور بہادر ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں یہ امنگ ہوتی ہے کہ حکومت کی طاقت حاصل کر کے ہم اس دنیا سے کفر اور شرک کی ناپاکی دور کریں گے اور اسے پہلے سے زیادہ خوبصورت بنا دیں گے اور اللہ کے بندوں کی تکلیفیں دور کریں گے۔

ہماری اس بات کے خلاف کبھی کبھی ظالم اور عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی حکومت بھی قائم ہو جاتی ہے جیسے انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ لیکن ان کی مثال ان ڈاکوؤں کی سی ہوتی ہے جو کسی بستی کے لوگوں کی غفلت اور بزدلی کے باعث کچھ دیر کے لیے سیاہ و سفید کے مالک بن جاتے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں لوٹتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں قتل کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ اقتدار معمولی عرصے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ پاک کسی قوم کو سزا دینے کے لیے بھی فاسق و فاجر لوگوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

مجاہدوں کی ابتدائی کامیابی:

جیسا کہ ہم نے لکھا ہے ہندوستان کے یہ مجاہد جو اس ملک کو ظالموں اور فاسق و فاجر یعنی برائی کے راستے پر چلنے والے اور برائی پھیلانے والے لوگوں کے پنجے سے نجات دلانے اور اللہ کے سچے دین اسلام کی حکومت قائم کرنے کے لیے گھروں سے نکلے تھے۔ دلی سے چل کر اس علاقے میں پہنچ گئے جو افغانستان کی سرحد سے ملا ہوا تھا۔ ان کا یہ سفر بڑا ہی مشکل تھا۔ اس زمانے میں نہ ریل گاڑی تھی نہ موٹریں اور نہ ایسی سڑکیں بنی ہوئی تھیں جیسی ہم آج کل دیکھتے ہیں۔ پہاڑوں اور جھاڑ جھنکار سے بھرے ہوئے جنگلوں میں کئی سو میل کا مشکل سفر کرنا پڑا۔ طرح طرح کی مصیبتیں پیش آئیں، لیکن اللہ پاک کو خوش کرنے کے لیے انھوں نے تمام مصیبتوں کو ہنسی خوشی برداشت کیا۔

اس زمانے میں اس علاقے پر بہت سے سردار حکومت کرتے تھے۔ ان میں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ ایسے تھے جو عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو سکتا ہو اپنی ریاستوں اور جاگیروں کو باقی رکھیں۔ ایسے لوگ یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور ان کے اختیارات چھن جائیں، چنانچہ جب حضرت سید احمدؒ بریلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیلؒ نے انہیں اُن کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور مسلمانوں کو غلامی کے عذاب سے بچانے کے لیے جہاد میں حصہ لینے کو کہا تو کئی ایک سردار ان بزرگوں کے ہم خیال بن گئے اور اس طرح مجاہدوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔

سکھوں کے لشکر سے مجاہدوں کا سب سے پہلا مقابلہ ہشت نگر کے مقام پر ہوا، اس مقابلے میں سکھوں کو شکست ہوئی۔ اس فتح سے مجاہدوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ بہت جلد پورا پنجاب فتح ہو جائے گا۔

اس فتح کے بعد اکوڑہ کے مقام پر سکھ فوج سے دوسرا مقابلہ ہوا اور اس مقابلے میں بھی رنجیت سنگھ کی فوج ہار گئی۔ اب مجاہدین نے باقاعدہ اپنی حکومت قائم کر لی اور جو علاقہ ان کے قبضے میں آچکا تھا اس کا انتظام بالکل اسی طرح کیا جیسے اسلام نے حکم دیا ہے۔ سرداروں کے بنائے ہوئے غلط سلط قانون توڑ کر اسلامی قانون جاری کر دیا گیا۔

چھپا وار:

ان دو مقابلوں میں دشمن کو یہ اندازہ ہو گیا کہ جنگ کے میدان میں ان مجاہدوں کو شکست دینا آسان نہیں، اس لیے اس نے چالاکی اور جوڑ توڑ کے ذریعے انہیں ہرانے کی کوشش کی، اس سلسلے میں ایک خطرناک وار یہ کیا گیا کہ حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیلؒ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والا اور اسلام کے اصل عقیدوں سے پھرا ہوا مشہور کر دیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دشمنوں کے جاسوسوں نے سیدھے سادے مسلمانوں کو یہ کہہ کر بہکایا کہ جن لوگوں کو تم نے اپنا سردار بنا لیا ہے وہ تو وہابی ہیں اور وہابی کی تعریف انہوں نے وہی کی جو ہم نے اوپر بیان کی ہے، یعنی حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مخالفت اور توہین کرنے والے۔

یہ ایک تیر سے دو شکار کرنے والی بات تھی۔ جس زمانے میں یہ دونوں بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی کوشش کر رہے تھے اسی زمانے میں اللہ کے ایک بندے محمد بن عبدالوہاب نے عرب کے مسلمانوں کی اصلاح کی تحریک شروع کی تھی۔ اور ہندی مسلمانوں کی اصلاح کی یہ تحریک جو شاہ اسمٰعیل نے شروع کی تھی تقریباً انہی خطوط پر تھی جو محمد بن عبدالوہاب نے متعین کیے تھے۔ دراصل ان بزرگوں نے اپنی خداداد ذہانت سے یہ بات جان لی تھی کہ مسلمانوں کے ذلیل اور بے اقتدار ہو جانے کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ اسلام کے اصلی اصولوں کو چھوڑ کر من گھڑت رسموں اور رواجوں میں اُلجھ گئے ہیں۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان پھر قرآن اور حدیث کی طرف لوٹ آئیں۔ یہ تحریک ملّتِ اسلامیہ کے لیے ہر طرح سے فائدہ مند تھی، لیکن اس ملّت کے دشمن اس کی کامیابی کی صورت میں اپنی موت دیکھ رہے تھے، اس لیے انہوں نے یہ چالاکی کی کہ ان کے بارے میں غلط سلط باتیں پھیلا دیں اور سادہ دل مسلمان اپنے ان سچے ہمدردوں کو بدعقیدہ اپنا دشمن سمجھنے لگے۔

محمد بن عبدالوہاب کے ساتھیوں اور دوسرے مخلص مسلمانوں کو وہابی مشہور کر کے عام مسلمانوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کی سازش بعض انگریز سیاستدانوں نے کی تھی۔ حضرت شاہ اسمٰعیل اور حضرت سید احمد کو وہابی مشہور کرنے والے بھی یہی لوگ تھے محققین نے ان دونوں بزرگوں کے حالات میں یہ بات لکھی ہے کہ جن دنوں بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں سے آخری لڑائی ہوئی۔ ایک انگریز فوجی سردار الیگزینڈر گارڈنز اپنے بہت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھیوں سمیت وہاں آیا تھا۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اس معاملے سے بالکل ہی بے تعلق نہ تھی، بلکہ خفیہ طور پر حصّہ لے رہی تھی۔ یقین ہے ان بزرگوں کو وہابی مشہور کرنے والے اور سرحد کے مسلمان سرداروں کو ان کے خلاف بھڑکانے والے انگریزوں کے جاسوس ہی تھے۔

یہ سازش کیوں کامیاب ہو گئی!

کسی عقل مند نے کہا ہے جہاں نشیب ہوتا ہے وہیں پانی مرتا ہے۔ اس کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں پہلے سے خرابی موجود ہوتی ہے وہی اپنے دشمنوں کے ہاتھ پیر مضبوط کرتے ہیں۔ دور دراز سے چل کر آنے والے مجاہدوں کی طرح اگر اس علاقے کے سرداروں کے دلوں میں بھی اپنے دین کی سچی محبت ہوتی اور وہ بھی اپنی قوم کو معزز دیکھنے کے لیے بے چین ہوتے تو دشمنوں کی پھیلائی ہوئی باتوں کا ان پر بالکل اثر نہ ہوتا، لیکن یہاں تو ادنگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ والی بات تھی۔ یہ لوگ مارے باندھے مجاہدین کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، ان کے دلوں میں اسلام کی ترقی کی سچی لگن نہ تھی، اس لیے فوراً اپنے دشمنوں کی باتوں میں آ گئے۔ یہ ناسمجھ لوگ اپنے ذاتی فائدوں اور آرام کو قوم کی آزادی اور عزت سے زیادہ جانتے تھے۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات جانتا تھا کہ ایک طرف انگریزوں نے ہندوستان کی کئی مسلمان حکومتوں کے چراغ گُل کر دیے ہیں اور دوسری طرف سکھوں کے لشکر کابل تک دہشت پھیلا رہے ہیں اور لوٹ مار میں مصروف ہیں، لیکن ان کے نزدیک سب اچھا تھا۔ یہ بدبخت مجاہدین کے خلاف ہو گئے اور آپس میں صلاح و مشورہ کر کے خدا کے ان نیک بندوں پر حملہ کر دیا اور بہت سے مجاہدین کو شہید کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری معرکہ :

سیّد صاحب اور شاہ صاحب نے ان حالات کا پُورا پُورا اندازہ کر کے اب یہ کوشش کی کہ کسی ایسی جگہ سکھ فوج کا مقابلہ کیا جائے جو ہر لحاظ سے موزوں ہو۔ سارے علاقے کے نشیب و فراز کا اندازہ لگانے کے بعد فیصلہ کُن جنگ لڑنے کے لیے اس علاقے کو منتخب کیا گیا جسے بالاکوٹ کہا جاتا ہے۔ فوجی نقطۂ نظر سے یہ جگہ واقعی بہت موزوں تھی۔ ایک طرف دریائے کنہار تھا اور دوسری طرف کُونچے پہاڑ مجاہدین کی پُشت پناہی کر رہے تھے۔

جس فوج کے پہلو اور پُشت محفوظ ہوں اس کے ہارنے کا خطرہ نہیں ہوتا، لیکن بدقسمتی سے ایک غدار مسلمان نے ان سارے فائدوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ اس ظالم نے سکھ فوج کے کمانڈر شیر سنگھ کو ایک خفیہ راستہ بتا دیا جو پہاڑوں کے درمیان سے بالاکوٹ تک آتا تھا۔ اور اس راستے سے سکھ فوج چُھپکے سے مجاہدوں کے سر پر پہنچ گئی۔

شہادت کا تاج :

اللہ کے سچے دین کی عظمت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے والے یہ مجاہد کھلے میدان میں سکھ فوج سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور انہیں پورا یقین تھا کہ اس لڑائی میں بھی انہی کی جیت ہو گی۔ سکھ سپاہی اچانک ہی پہاڑ پر نمودار ہوئے تو وہ حیران رہ گئے۔ کوئی اور لشکر ہوتا تو یہ صورتِ حال دیکھ کر شاید بھاگ کھڑا ہوتا لیکن مجاہدین ذرا خوفزدہ نہ ہوئے۔ انہوں نے فوراً اپنے جنگی نقشے میں تبدیلی کی اور سکھوں سے گتھم گتھا ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ لڑائی اب ایسی نہ تھی جس میں مجاہد اپنے فتح یاب ہونے کی توقع کر سکتے۔ خفیہ پہاڑی راستہ معلوم ہو جانے کی وجہ سے سکھوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ مجاہدین پر دو طرف سے پل پڑے تھے اور اُن کے اس زوردار حملے نے مجاہدین کی طاقت اور تنظیم کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ ایک دوسرے کے قریب رہنے کی بجائے وہ الگ الگ ٹکڑیوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور اس طرح اُن کے ہتھیار بالکل بے اثر ہو گئے تھے۔

اس صورتِ حال کے علاوہ ایک بڑی مصیبت یہ آئی کہ بہت سے مقامی باشندے اس نازک وقت میں مجاہدین کا ساتھ چھوڑ گئے، حضرت شاہ صاحبؒ اور سید صاحبؒ صاف دیکھ رہے تھے کہ اس جنگ کا نتیجہ اب ہمارے حق میں نہ نکلے گا۔ وہ چاہتے تو اپنی جانیں بچا سکتے تھے۔ سکھ فوج کا سردار بھی انہیں امان دے سکتا تھا اور میدانِ جنگ سے فرار ہونے کا راستہ بھی ابھی کھلا ہوا تھا، لیکن ان کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ دونوں بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان دونوں بزرگ شہیدوں کے مزار بالاکوٹ میں ہیں۔

اس جدّوجہد کا نتیجہ:

ایک عام آدمی تو یہی کہے گا کہ ان دونوں بزرگوں نے جو کوشش کی ناکام ہو گئی۔ مسلمان قوم کو فائدے کی جگہ نقصان پہنچا، لیکن یہ بات یُوں نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہماری آج کی آزادی، خوشحالی اور عزت انہی بزرگوں کی کوششوں کا پھل ہے۔ بالاکوٹ کے میدان میں بے شک اُنہیں شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی جانیں قربان کرنی پڑیں، لیکن اس قربانی نے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس جنگ سے پہلے پوری قوم غلامی اور بے غیرتی کی زندگی پر قریب قریب رضامند ہو گئی تھی، ہر شخص نے سمجھ لیا تھا انگریزوں کا غلبہ اور دوسری قوموں کی حکومتیں اللہ پاک کی مشیت کے مطابق قائم ہوتی ہیں۔ ہماری تقدیر ہی میں غلامی اور ذلّت لکھ دی گئی ہے۔ ان بزرگوں نے اپنی کوشش سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ ذلّت تقدیر کا فیصلہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی آرام پسندی اور مذہب کے سچے اُصولوں کو چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے۔ جس وقت بھی یہ خرابیاں دُور ہو جائیں گی مسلمانوں کو پھر ان کی کھوئی ہوئی عزت اور حکومت مل جائے گی۔

ان محترم بزرگوں کی قربانیوں سے یہ بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا کہ پستی کی طرف جاتی ہوئی مسلمان قوم میں سچے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا۔ ان لوگوں نے دن رات محنت کر کے دین کی باتوں میں سے کھوٹ کو الگ کیا۔ غیر مسلموں کی طرف سے اسلام پر جو حملے کیے جاتے تھے انہیں روکا اور کھوئی ہوئی عزت اور آزادی حاصل کرنے کے لیے جدّوجہد جاری رکھی۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل دُرست ہے کہ موجودہ زمانے میں ہمیں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ انہی کی قربانیوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے، بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ حصولِ پاکستان کی تحریک بھی انہی مجاہدین کی قربانیوں کے تسلسل میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ان کے درجات بلند کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمدؒ قاسم نانوتویؒ

بھارت کے صوبہ یوپی میں ایک مقام ہے دیوبند۔ یہاں ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی قائم ہے جس کا نام دارالعلوم دیوبند ہے۔ یہ اسلامی یونیورسٹی سنہ ۱۲۸۲ھ میں قائم کی گئی تھی۔ اس کے قائم کرنے والے ایک بہت بڑے عالم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ مولانا قاسم عالم فاضل ہونے کے علاوہ بہت بہادر، بے حد متقی اور ذی شعور تھے، ان خوبیوں کے علاوہ ان کی سب سے بڑی اچھائی یہ تھی کہ ان کے دل میں اپنے مقدس دین اسلام کی حفاظت اور اسے پھیلانے کا جذبہ تھا۔

خاندان :

حضرت مولانا کا سلسلۂ نسب آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے خلیفہ صدیقِ اکبر حضرت ابوبکرؓ سے ملتا ہے۔ اس خاندان کے بارے میں یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ عرب سے چل کر کب ہندوستان آیا اور اس کے افراد نے کیا کیا خدمات انجام دیں، اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ حضرت مولانا کے ایک دادا مولانا محمد ہاشم مشہور مغل شہنشاہ شاہجہان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دربار سے وابستہ تھے اور ان کی خدمات کے بدلے میں بادشاہ نے انہیں بہت بڑی جاگیر عطا کی تھی۔

زمانے کے انقلابات اور بہت بڑا خاندان ہونے کی وجہ سے یہ جاگیر تقسیم ہوتی رہی اور اس خاندان کے افراد مالی طور پر معمولی حیثیت کے رہ گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا کے والد شیخ اسد علی ہاتھ سے کھیتی باڑی کا دھندا کرتے تھے اور ان کی سکونت قصبہ نانوتہ ضلع سہانپور میں تھی۔

شیخ اسد علی کی مالی حالت بیشک معمولی تھی، لیکن خاندانی عزت برقرار تھی اور اسی وجہ سے ان کی شادی سہارنپور کے ایک معزز خاندان میں ہوئی۔

بچپن :

مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۴۸ھ میں بمقام نانوتہ پیدا ہوئے۔ خاندان میں دینداری بھی تھی اور علم کا چرچا بھی تھا، اس لیے ان کا بچپن عام دیہاتی بچوں سے خاصا مختلف تھا۔ مسلمان شرفاء کے دستور کے مطابق پانچ چھ سال کی عمر میں تعلیم شروع کر دی گئی اور انہوں نے نہایت قلیل عرصے میں قرآنِ حکیم ختم کر لیا۔

عام عادتوں کے لحاظ سے بھی مولانا دوسرے بچوں سے مختلف تھے۔ ان کی ہر بات سے نیکی اور شرافت ظاہر ہوتی تھی اور ان اچھی عادتوں کی وجہ سے ان کے بزرگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر خاندان کا نام روشن کرے گا۔

بچپن کے زمانے میں انہوں نے ایک رات نہایت مبارک خواب دیکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ میں اللہ پاک کی گود میں بیٹھا ہوں۔ یہ خواب بیان کیا تو خواب کا علم جاننے والے ایک بزرگ نے یہ تعبیر بتائی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر بہت بڑا عالم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنے گا اور اسلام کی اشاعت میں شاندار خدمات انجام دے گا۔ گھر کے سب افراد کو اس بات سے خوشی ہوئی اور سب ان کی تعلیم و تربیت کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگے۔

قرآن شریف ختم کرنے کے بعد مولانا کو ان کے ایک رشتے دار مولوی مہتاب علی کے پاس دیوبند بھیج دیا گیا۔ یہاں انہوں نے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑا مدرسہ دلی میں داخل ہوئے۔ یہاں ان دنوں مولوی مملوک علی صدر مدرس تھے۔ انہوں نے مولانا کی ذہانت، محنت اور اچھی عادتوں کی وجہ سے ان کی طرف خاص توجہ دی۔

مولانا کو اللہ پاک نے کیسا اچھا ذہن دیا تھا، حصولِ علم کا شوق بھی تھا، اس لیے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ وہ کیسی محنت سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اقلیدس انہوں نے کسی اُستاد کے بغیر پڑھ لی۔ مدرسے میں پڑھنے والے دوسرے طلباء کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہیں یقین نہ آیا۔ چنانچہ ان کا امتحان لیا گیا اور یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ انہوں نے ہر سوال کا بالکل ٹھیک جواب دیا۔

فقہ، حدیث، فلسفہ اور ادب وغیرہ کے علاوہ مولانا نے مناظرے کے علم میں بھی کمال حاصل کیا۔ مذہبی معاملات پر وہ ایسے اچھے انداز سے بحث کرتے تھے کہ مخالف لاجواب ہو جاتے تھے۔ انہوں نے عیسائی پادریوں اور آریہ پنڈتوں سے بہت سے مناظرے کیے اور فتح پائی۔

ذاتی خوبیوں کے ساتھ اللہ پاک نے ان پر ایک خاص مہربانی یہ فرمائی تھی کہ مدرسے میں ساتھی بھی اچھے ملے اور استاد بھی۔ جن استادوں سے انہوں نے علم حاصل کیا ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے مولانا شاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالغنی اور مفتی صدرالدین جیسے عالم شامل ہیں۔ اس طرح ان کے ہم مکتبوں میں حضرت رشید احمد گنگوہیؒ، شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ جیسے لوگ شامل تھے۔ ایک روایت کے مطابق سر سید بھی ان کے ہم مکتب تھے۔

مرشد کامل :

ظاہری تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد روحانی تعلیم کی تکمیل کے لیے حضرت مولانا نے اس وقت کے مشہور بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کی۔ حاجی صاحب سے مولانا کے خاندان کے تعلقات پہلے سے تھے، اس لیے انہوں نے اور بھی توجہ فرمائی اور مرشد کی اس توجہ سے وہ تھوڑے سے عرصے میں کامل ہو گئے۔

روحانی علوم میں کامل ہونے کا یہ اثر ہوا کہ مولانا کے دل سے دنیاوی شان و شوکت کا خیال اور مال و دولت کا لالچ بالکل نکل گیا۔ پرانے زمانے کے بزرگوں کے نمونے پر انہوں نے بالکل سادہ زندگی اختیار کر لی۔ بالکل سادہ خوراک کھاتے تھے اور موٹا جھوٹا لباس پہنتے تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے ان کے سینے میں اتنا علم تھا کہ اگر وہ چاہتے تو نہایت آسانی سے کوئی اعلیٰ سرکاری نوکری مل جاتی، ان سے کم پڑھے ہوئے ان کے کئی ساتھی اونچے درجے کے افسر بن گئے تھے اور خوب عیش آرام کی زندگی گذار رہے تھے۔ لیکن مولانا نے اس طرف دھیان ہی نہ دیا۔ مطبع احمدی نامی ایک چھاپہ خانے میں تصحیح کا کام کیا۔ یہ ملازمت آپ کو یوں پسند تھی کہ فالتو وقت میں طلباء کو قرآن شریف اور حدیث پڑھا سکتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی :

مولانا نہایت خاموشی سے دینی خدمات میں مصروف تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی شروع ہو گئی جسے انگریزوں کی لکھوائی ہوئی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کا غدر کہا جاتا ہے۔ بات اصل میں یہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نااہلی اور مسلمان امیروں کی نالائقی کی وجہ سے حکومت کے سارے محکموں میں سخت گڑبڑ پھیل گئی تھی اور اس کمزوری کی وجہ سے سات سمندر پار سے آئی ہوئی انگریز قوم کو یہ موقع مل گیا تھا کہ آہستہ آہستہ وہ اس پورے ملک پر قبضہ کر لے۔ چنانچہ انہوں نے مدراس اور بنگال وغیرہ پر پوری طرح قبضہ کرنے کے بعد خاص دلی کی حکومت میں بھی عمل دخل حاصل کر لیا تھا اور مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حالت انگریزوں کے ایک وظیفہ خوار کی سی رہ گئی تھی۔ اس بات سے فوج کے افسروں کو بہت زیادہ رنج پہنچا تھا۔ وہ اپنے ملک کو غیروں کی غلامی میں دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

غلامی کے خطرے کے علاوہ ان افسروں کے بگڑنے کی دوسری بڑی وجہ عیسائی پادریوں کی سرگرمیاں تھیں۔ فوجی گوروں کی سنگینوں کے سائے میں یہ لوگ نہایت اطمینان سے گاؤں گاؤں گھومتے اور لوگوں کو عیسائی مذہب اختیار کرنے پر آمادہ کرتے تھے۔

ان ملی جلی ناراضگیوں کی وجہ سے فوج کے ہندو مسلمان افسروں نے مئی کے مہینے میں انگریزوں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو اپنا حاکم مان کر ایک مضبوط حکومت قائم کرنے کی کوشش کر دی، اس سلسلے میں ان لوگوں سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو پوری طرح قابو میں نہ رکھ سکے اور نہ بستیوں میں پھیلے ہوئے بُرے چال چلن کے لوگوں کی نگرانی کر سکے۔ ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف قتل و غارت گری شروع ہو گئی۔ اس افراتفری کا اثر مولانا کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقے تک بھی پہنچا اور یہ حالت ہو گئی کہ لوگوں کا اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنا کاروبار انجام دینا دشوار ہو گیا۔

مولانا کی بہادری :

ایسے نازک وقت میں مولانا نے اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے حکم کے مطابق نہایت بہادری سے اپنے علاقے میں امن امان قائم کیا۔ اس جدوجہد میں کئی بار لٹیروں سے مقابلہ ہوا، لیکن اللہ پاک کی مہربانی سے آپ کا گروہ ہمیشہ بالادست رہا۔

تقریباً سارے ملک میں گڑبڑ پھیل جانے اور غیر منظم ہونے کی وجہ سے جنگِ آزادی لڑنے والی فوجیں مغلوب ہو گئیں۔ انگریزوں نے دلی کے لال قلعے پر قبضہ کر کے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور یوں اس ملک پر ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے علاقے میں امن قائم رکھنے کے صلے میں مولانا اور آپ کے ساتھیوں کو انعام دیا جاتا اور اس اچھے کام کی تعریف کی جاتی، لیکن انگریز حاکم اُلٹے آپ کے دشمن ہو گئے۔ مولانا کے دشمنوں کے بہکانے میں آ کر انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ ان کا تعلق بغاوت کرنے والوں سے ہے اور اس یقین کی بنا پر گرفتاری کے وارنٹ نکال دیے۔

اس زمانے میں گرفتاری کے وارنٹ نکال دیے جانے اور گرفتار ہونے کا مطلب تھا پھانسی پانا۔ کیونکہ یونہی سرسری پوچھ گچھ کے بعد ایسے ملزموں کو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا تھا۔

مولانا صاحب کو اپنے وارنٹ نکل جانے کا حال معلوم ہوا تو آپ روپوش ہو گئے لیکن کہیں منہ چھپا کر نہیں بیٹھے، بلکہ ضلع انبالہ کی طرف نکل گئے اور وہاں اطمینان سے گھومتے پھرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فراست :

خطرے کے وقت ہوش و حواس قائم رکھنا اور اپنے بچاؤ کی کوئی عمدہ تدبیر سوچ لینا اعلیٰ درجے کی بہادری ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے مولانا کی ذات میں یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ جس زمانے میں آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے، انہی دنوں کا واقعہ ہے۔ ایک انگریز افسر آپ کو گرفتار کرنے کے لیے خاص آپ کے پاس پہنچ گیا اور خود آپ ہی سے پوچھا کہ مولوی محمد قاسم کدھر ہے؟ وہ آپ کی شکل و صورت سے آشنا نہ تھا۔

کوئی اور ہوتا تو ایسے نازک وقت میں گھبرا جاتا، لیکن حضرت مولانا نے پوری طرح حواس قائم رکھے، جس جگہ کھڑے تھے، اس سے دو قدم ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا وہ ابھی ابھی تو یہاں کھڑا تھا۔

یہ بات سن کر انگریز افسر چلا گیا اور آپ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔

حج کا سفر :

جن دنوں انگریز حکومت نے آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر رکھے تھے آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور اللہ پاک نے اس بارے میں آپ کی امداد فرمائی۔ اس لمبے سفر کا نہایت آسانی سے انتظام ہو گیا اور آپ صحیح سلامت مکۂ معظمہ پہنچ گئے۔ یہ ۱۲۷۳ھ کا واقعہ ہے۔

اس مبارک سفر میں تقریباً ایک سال کا عرصہ لگا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو انگریز حکومت پوری طرح حالات پر قابو پا چکی تھی اور عام معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا، چنانچہ اب آپ سے بھی باز پرس نہ کی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقی خطرہ :

صرف انگریزوں پر ہی موقوف نہیں، بلکہ یہ ایک پکا قانون ہے کہ جب کوئی قوم کسی کمزور قوم پر قابو پا لیتی ہے تو یہ کوشش کرتی ہے کہ اب یہ قوم ہمیشہ اس کی محکوم رہے۔ ہندوستان پر قبضہ کر کے انگریزوں نے بھی چاہا کہ اب یہ سرسبز و شاداب مُلک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہماری محکومی میں رہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے انگریز مدبروں نے یہ سوچا کہ جس طرح بھی ہو سکے ہندوستانیوں کو انگریزی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا جائے۔ انہیں یقین تھا جب یہ لوگ ہماری زبان، ہمارا لباس اور ہمارا مذہب اختیار کر لیں گے تو پھر ان کے دلوں میں آزادی حاصل کرنے کی امنگ کبھی پیدا نہ ہو گی۔ یہ تجویز ایک انگریز لارڈ میکالے نے پیش کی تھی۔ اگرچہ اس زمانے میں یہ منصوبہ اونچے درجے کے انگریز افسروں اور سیاستدانوں کے سینوں ہی میں محفوظ تھا، اُسے ظاہر نہ کیا گیا تھا، لیکن اپنی روحانی طاقت اور دینی بصیرت سے حضرت مولانا نے یہ بات بھانپ لی کہ اگر مسلمانوں نے اپنے دین کی طرف سے ذرا بھی غفلت برتی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غیر مُلکی غلامی کے چنگل میں پھنس جائیں گے اور اُن کی دُنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام :

سامنے نظر آنے والے حالات اور آئندہ کے خطرات کا پوری طرح اندازہ کرنے کے بعد حضرت مولانا نے دیوبند کے مقام پر ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ فرمایا اور غریبانہ طور پر جو سامان بھی فراہم کیا جا سکتا تھا، جمع کر کے ۱۲۸۳ھ میں اس مبارک دارالعلوم کی بنیاد رکھ دی جس نے دین کے بجھتے ہوئے چراغ کو پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روشن کر دیا اور جس کی نورانی کرنوں سے افغانستان، ایران، مصر، شام، انڈونیشیا اور حجاز تک کے طالبانِ علم فیض یاب ہوئے اور انشاء اللہ یہ فیض آئندہ بھی جاری رہے گا۔

قرآن اور حدیث کی تعلیم پھیلانے کے علاوہ دار العلوم دیوبند سے ایک فیض یہ جاری ہوا کہ اس کے طلباء اور اساتذہ نے آزادیٔ وطن کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑی خدمت یہ کی کہ مسلمانوں میں جو غلط عقیدے پھیل گئے تھے ان کی اصلاح کی۔

اس سلسلے میں بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ جو لوگ اس دار العلوم سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں ان کا عقیدہ ٹھیک نہیں رہتا۔ نعوذ باللہ وہ حضرت رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عزّت نہیں کرتے، یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس میں ذرا سی اصلیت بھی نہیں۔ موٹی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جو ادارہ قائم ہی اسلام کی حفاظت اور ترقّی کے لیے کیا گیا ہو وہ ہادیٔ اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عزت اور عظمت کا قائل کیوں نہ ہوگا۔ کوئی بھی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اللہ کا سچّا رسُول نہ مانے اور آپؐ کی عظمت کا قائل نہ ہو اور آپؐ سے محبّت نہ کرے۔

ہاں علمائے دیوبند نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ اقدس سے محبّت کو قرآن اور حدیث کے مطابق رکھا ہے۔ اور یقیناً یہ ایک بہت بڑی دینی خدمت ہے، اگر ہم دوسرے مذاہب کے بگڑنے کی وجوہات پر غور کریں تو معلوم ہوگا سب سے بڑی وجہ ان کے بزرگوں سے جاہلانہ محبّت ہی تھی۔ یہ لوگ اپنے رسُولوں اور نبیوں کی محبّت میں اس حد تک بڑھ گئے کہ اللہ کو چھوڑ کر انہی کو پوجنے لگے، بہرحال یہ عقیدے کا معاملہ ہے، اگر کوئی شخص دیوبند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے علماء سے عقیدت نہ بھی رکھے پھر بھی یہ بات تو تسلیم کرنی ہی پڑتی ہے کہ اس دارالعلوم نے دورِ غلامی میں قرآن اور حدیث کی تعلیم پھیلانے میں شاندار خدمات انجام دی ہیں اور انشاء اللہ یہ فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ اس دارالعلوم کے بارے میں ایک اور بات یہ کہی جاتی ہے کہ اس کے علماء نے قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ یہ بات غلط بھی نہیں، لیکن اس کی وجہ ان کی بدنیتی نہ تھی، بلکہ یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے پاکستان حاصل کرنے کا مطالبہ مُلک کی آزادی کو کھٹائی میں ڈال دے گا، تاہم مولانا شبیر احمد عثمانی کے تحریکِ پاکستان میں شامل ہو جانے سے کچھ نہ کچھ تلافی ہو گئی، کیونکہ وہ دیوبند کے اکابرین میں سے تھے اور ان کی شمولیت سے تحریکِ پاکستان کو بہت تقویت ملی تھی۔

وفات :

۴ جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ کو بُدھ کے دن حضرت مولانا کا انتقال ہوا۔ آپ اپنے ایک عزیز دوست کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تھے، اسی سفر میں آپ علیل ہوئے اور چند دن بیمار رہ کر مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنّا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ پاک جنت میں اُنہیں اونچا درجہ عطا کرے اور ان کے جاری کیے ہوئے اس چشمۂ فیض کو جاری رکھے۔ آمین۔ ان کی ذات ہم سب کے لیے ایک عمدہ نمونہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سر سیّد احمد خاںؒ

سرسید احمد خاں اسلام کے ان نامور فرزندوں میں سے ہیں جنہوں نے اس دین کی ترقی اور حفاظت کے لیے شاندار خدمات انجام دیں اور مسلمان قوم کی آزادی اور عزت کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔

برصغیر ہند و پاک میں جب مسلمانوں کی سلطنت کو زوال ہوا اور سات سمندر پار سے آئے ہوئے انگریز اس ملک کے مالک بن گئے تو مسلمانوں کی حالت بہت مخدوش ہو گئی۔ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ قوم ہندوستان کے سات کروڑ اچھوتوں کی طرح بالکل تباہ نہ ہو جائے۔ یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو اپنا دشمن جان کر انہیں ہر طرح سے مٹانے اور ذلیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اپنے ملک کو آزاد رکھنے کے لیے شریف اور خوددار لوگوں کی ایک منظم کوشش تھی اور اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے، بعض اسباب کی بناء پر یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ اپنے وطن کو آزاد رکھنے کے لیے کوشش کرنے والے ہار گئے اور انگریز جیت گئے۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد جب انگریزوں نے اس ملک میں اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور انتظام درست کرنا چاہا تو اس بات پر بھی غور کیا کہ مئی ۱۸۵۷ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شروع ہونے والی اس فوجی بغاوت کے اصل اسباب کیا تھے۔ اور اس سلسلے ان کی سمجھ میں یہ بات آئی یا یہ بات ان کے دماغوں میں ڈال دی گئی کہ اصل میں ساری گڑبڑ مسلمانوں نے کی تھی، چنانچہ اسی بناء پر وہ اس قوم کے سخت دشمن بن گئے اور انہوں نے اپنی یہ پالیسی بنالی کہ جہاں تک ہوسکتا ہے مسلمانوں کو کمزور کیا جائے۔

انگریز حکومت کی اس پالیسی کے علاوہ خود مسلمان بھی اس نئی حکومت سے نفرت کرتے تھے، ان کا خیال تھا اگر ہم نے اس حکومت سے سمجھوتہ کرلیا اور اس کا انتظام چلانے میں مدد دی تو رفتہ رفتہ ہمارا دین اور ہماری تہذیب مٹ جائے گی۔

یہ مسلمانوں کا نرا وہم نہ تھا بلکہ اس زمانے میں انگریزوں کی واقعی یہی پالیسی تھی، ایک طرف عیسائی پادری زور و شور سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے اور دوسری طرف حکومت نے سرکاری نوکری حاصل کرنے کے لیے انگریزی زبان کا جاننا اور انگریزی وضع کا لباس پہننا ضروری قرار دے دیا تھا اور یہ ساری باتیں ان لوگوں کو پریشان کرنے والی تھیں جو اپنے مذہب اور اپنی تہذیب سے محبت کرتے تھے۔

دوسری طرف ہندوؤں کا یہ حال تھا کہ وہ ساری باتیں بھلا کر ایک طرح انگریز کی گود میں جا بیٹھے تھے۔ انہوں نے انگریزی زبان کو بھی قبول کرلیا تھا اور انگریزی تہذیب اختیار کرنے کے لیے بھی تیار ہو گئے تھے۔ اگر ہندوستان کی دونوں بڑی قومیں ہندو اور مسلمان کے لوگ مل کر یہ فیصلہ کرتے کہ ہم اس نئی غیر ملکی حکومت سے سمجھوتہ نہ کریں گے اور اس کا کاروبار چلانے میں مدد نہ دیں گے تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کھانے کے باوجود یہ ملک غلام ہونے سے بچ سکتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، کیونکہ چند ہزار انگریز اتنے بڑے مُلک کا انتظام نہ سنبھال سکتے تھے، لیکن جب ہندو قوم نے ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تو گویا کلہاڑی کو دستہ مل گیا۔ انگریزوں کو اب اس بات کی پروا نہ رہی کہ مسلمان ان کا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں، بلکہ انھوں نے خود یہ پالیسی بنالی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو سرکاری نوکریاں نہ دی جائیں۔ ان کی زمینداریوں کو تباہ کر دیا جائے اور تجارت کے میدان میں بھی آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔

یہ حالات انتہائی خطرناک تھے۔ ایک طرف انگریزی حکومت کی یہ پالیسی کام کر رہی تھی اور دوسری طرف مسلمانوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ ہم انگریزوں کے ساتھ کسی قیمت پر تعاون نہ کریں گے۔ مسلمانوں کا یہ فیصلہ یقیناً خودداری اور شرافت کا فیصلہ تھا اور ہمیں اپنے بزرگوں کی اس دُور اندیشی اور بہادری پر ناز کرنا چاہیے، لیکن زمانے کے حالات کچھ اس طرح بدل گئے تھے کہ اس اصول پر جمے رہنے سے کسی فائدے کی اُمید نہ ہو سکتی تھی۔ انگریزوں نے پورے مُلک پر قبضہ کر کے اچھی طرح اپنے پاؤں جما لیے تھے۔ پولیس اور فوج کے محکمے پُوری طرح مضبوط ہو گئے تھے اور ان کے دفتروں میں باقاعدگی سے کام ہونے لگا تھا۔ ایسی مضبوط حکومت کے خلاف رہ کر نہتی رعایا کیا فائدہ اٹھا سکتی تھی اور اپنی جنگ کو کس طرح جاری رکھ سکتی تھی! صاف نظر آتا تھا کہ آزادی چاہنے والوں کو جس طرح ۱۸۵۷ء میں ہتھیاروں کی لڑائی میں شکست ہو گئی تھی۔ اس طرح اس مذہبی، ثقافتی اور تہذیبی جنگ میں بھی شکست ہو جائے گی۔

ایسے نازک حالات میں سر سید احمد خانؒ نے اپنی قوم کو تباہی کے بھنور سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ سارے پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد ان کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ اب مسلمانوں کو انگریزی حکومت کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریزی زبان سیکھ کر حکومت کے اونچے عہدے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بعض لوگ ان کے اس فیصلے کو ان کی کمزوری خیال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے کا مشورہ دے کر اپنی قوم کے ساتھ دشمنی کی، لیکن یہ بات ٹھیک نہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ سرسیدؒ اپنی قوم کے سچے خیر خواہ تھے، انہوں نے جو کچھ کیا مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کیا، بلکہ اس لحاظ سے انہیں اس قوم کا بہت بڑا محسن خیال کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے بارے میں انگریز حکمرانوں کی غلط فہمیاں دُور نہ کر دیتے اور دن رات محنت کر کے ان کے لیے جدید تعلیم حاصل کرنے کا انتظام نہ کرتے تو اس مُلک کے مسلمان سخت نقصان اٹھاتے، ہو سکتا ہے ان کی حالت رفتہ رفتہ چھوتوں جیسی ہو جاتی۔

اس سلسلے میں سرسیّد کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے علی گڑھ میں مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے ایک شاندار یونیورسٹی قائم کی۔ اس کے علاوہ نہایت عمدہ اصلاحی مضمون لکھ کر انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور جو غیر مسلم مسلمانوں کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کے مقابلے پر ڈٹ گئے اور اپنی قابلیت سے ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ ان کا جاری کردہ رسالہ تہذیب الاخلاق نہ صرف اصلاحی کوششوں کے سلسلہ میں، بلکہ اُردو زبان کو ایک نیا پُرکشش اسلوبِ نگارش دینے کے سلسلے میں بھی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی درجہ ان کی تصانیف کا ہے۔ ایک اور قابلِ تعریف خدمت یہ کہ انہوں نے خاص سوسائٹیاں بنا کر سائنسی علوم کو رواج دینے کی کوشش کی، اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں جو ذہنی بیداری نظر آتی ہے اس کی بنیاد سرسیّد نے رکھی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچپن :

سرسید ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دلّی کے ایک معزز سیّد خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صاحب کا نام میر تقی تھا اور وہ عالم فاضل ہونے کے علاوہ خوشحال آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے اس بچّے کا نام سیّد احمد رکھا۔

ایک روایت کے مطابق سیّد احمد بچپن ہی سے خوب توانا اور تندرست تھے۔ ان کے خاندان کے ایک بزرگ نے انہیں پہلی بار دیکھا تو کہا یہ ہمارے خاندان میں جاٹ کہاں سے پیدا ہوگیا۔[1]

سرسیّد احمد صرف موٹے تازے ہی نہ تھے بلکہ ذہین اور علم حاصل کرنے کے شوقین بھی تھے۔ انہوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں عربی، فارسی کی مروّجہ تعلیم کے علاوہ طب یعنی علاج معالجے کا علم بھی پڑھ لیا۔ قرآن حکیم شاہ عبدالعلی سے پڑھا۔ عربی فارسی کی تعلیم مولوی حمیدالدین سے حاصل کی اور طب حکیم غلام حیدر سے پڑھی۔

محترم ماں :

دُنیا میں جن لوگوں نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے ان کے حال میں یہ بات لازمی طور پر آتی ہے کہ ان کی مائیں بہت زیادہ نیک اور اپنی اولاد کو اچھا بنانے کا جذبہ رکھنے والی تھیں۔ سرسیّد کی والدہ محترمہ کے بارے میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ان کے دل میں شرافت اور نیکی کی کس قدر اہمیت تھی اور وہ اپنے پیارے بیٹے کو کیسا با اخلاق، قابل اور شریف دیکھنا چاہتی تھیں اس کا اندازہ اس

---

[1] یہ روایت مولانا محمد حسین آزاد نے بیان کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعے سے ہوتا ہے۔

کہتے ہیں بچپن کی عمر میں ایک دن سرسید نے گھر کے ایک ملازم کو ڈانٹ دیا۔ ان کی والدہ صاحبہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اس قدر ناراض ہوئیں کہ انہیں گھر سے نکال دیا۔ اور اس وقت تک گھر میں آنے کی اجازت نہ دی جب تک انہوں نے نوکر سے معافی نہ مانگی اور آئندہ کے لیے ایسی غلطی نہ کرنے کا پکا وعدہ نہ کیا۔

ملازمت :

چونکہ سرسید کا خاندان مالی لحاظ سے اچھا خاصا آسودہ تھا، اس لیے تعلیم سے فارغ ہونے کے باوجود انہوں نے ۲۲ سال کی عمر کو پہنچنے تک کہیں ملازمت نہ کی۔ روزگار کی جستجو انہیں اس وقت کرنی پڑی جب ان کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، سب سے پہلے وہ فوجداری عدالت میں سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ یہ جگہ ان کے شایانِ شان نہ تھی، لیکن اپنی قابلیت اور محنت و دیانت داری کے باعث وہ بہت جلد مجسٹریٹی کے عہدے تک جا پہنچے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت دہلی کے لال قلعے تک رہ گئی تھی۔ کہنے کو تو وہ شہنشاہ ہندوستان کہلاتے تھے لیکن ملک کا سارا انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔

کچھ بعض انگریزوں کی بے تدبیری اور تعصب کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ ہم رفتہ رفتہ ایک غیر قوم کے غلام بن رہے ہیں، عام ہندوستانی انگریز حکومت سے نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ اس نفرت کی وجہ سے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی لڑی گئی۔ مئی کے مہینے میں میرٹھ کی چھاؤنی میں مقیم ہندوستانی فوج نے انگریزوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف ہتھیار اٹھا لیے اور پھر یہ شورش پورے ملک میں پھیل گئی۔

اس ہنگامے میں سرسیّد کی خدمات:

ایسے نازک حالات میں جب انگریزوں کو چُن چُن کر قتل کیا جا رہا تھا سرسیّد نے نہایت بہادری سے بہت سے انگریزوں کی جان بچائی۔ وہ ان دنوں بجنور میں مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز تھے۔

دیکھا جائے تو سرسیّد کا یہ کام یعنی انگریزوں کو پناہ دینا اپنے ملک اور قوم کے عام مفاد کے خلاف تھا اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے اُن سے نفرت بھی کی ہو گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ فعل ان کی شرافت اور انسان دوستی کا ثبوت ہے۔ ایک سچے مسلمان کا اخلاق یہ ہے کہ وہ کسی بے گناہ انسان کا دشمن نہیں بنتا، چاہے وہ شخص کسی بھی قوم اور کسی بھی ملک سے تعلق رکھتا ہو، بلکہ اسلام کی تعلیم کی رُو سے اس پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرے اور اسے مصیبت سے بچائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے کے لیے انگریز سیاستدان بڑی بڑی بے ایمانیاں کر رہے تھے اور ان کا یہ ارادہ بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے اس ملک کے باشندوں کے مذہب، زبان اور تہذیب کو بدل دیں گے، لیکن تمام انگریز اس سازش میں شریک نہ تھے۔ خاص طور سے عورتوں اور بچوں کو تو ان معاملات سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

اس کے علاوہ ایک اور خاص بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ انگریزوں سے حکومت کا اختیار چھین کر پھر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان میں بھی زیادہ ایسے تھے جو اخلاق و عادات اور خیالات کے لحاظ سے ویسے اونچے درجے کے انسان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے جیسا حکومت کرنے والے لوگوں کو ہونا چاہیے۔ یقین ہے سرسید کے دماغ میں یہ بات بھی ہو گی۔ بہرحال اصلیت تو اللہ پاک ہی کو معلوم ہے۔ تاریخی طور پر یہ بات سب مانتے ہیں کہ ہنگامے کے دنوں میں انہوں نے بہت سے انگریزوں کی جان بچائی اور ان کی اس دوستی اور خیر خواہی سے خوش ہو کر انگریزی حکومت نے ان کی عزت افزائی کی۔ انہیں خلعت عطا کیا گیا اور دو سو روپے مہینہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔

قوم کی خیر خواہی:

سرسید کی کہانی میں یہاں تک تو ان کی ذاتی اچھائیوں کا حال آتا ہے اور یہ بات ملتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا افتادِ طبع کے مطابق کیا، لیکن غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کی زندگی میں ان کی شخصیت بہت بدلی ہوئی نظر آتی ہے، وہ ایک بہت بڑے مدبر، کامیاب لیڈر اور سچے دل سے اپنی قوم کا بھلا چاہنے والے شاندار مسلمان نظر آتے ہیں۔

ہم یہ بات شاید پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب انگریزوں نے دلی پر قبضہ کر لیا اور ان کی حکومت قائم ہو گئی تو انہوں نے اس بات پر غور کیا کہ ان کے خلاف نفرت اور غصے کا لاوا کیوں ابلا اور اس سلسلے میں ان کی سمجھ میں یہ بات آئی یا چالاکی سے انہیں یہ بات سمجھا دی گئی کہ یہ ساری شرارت مسلمانوں کی تھی۔ چنانچہ اس رائے کی بناء پر انگریزی حکومت مسلمانوں کی دشمن بن گئی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس قوم کو ہر لحاظ سے بالکل ناکارہ بنا دیا جائے۔

ذاتی طور پر سرسید کی پوزیشن ایسی تھی کہ انہیں ہر قسم کی عزت اور آسائش حاصل ہو گئی تھی۔ اگر وہ خود غرض اور جاہ پسند ہوتے تو انگریزوں کے معاون و مددگار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہ کر ترقی کرتے چلے جاتے، لیکن اپنی قوم کو مصیبت میں دیکھ کر انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس میں سراسر تکلیفیں ہی تکلیفیں تھیں۔

اسباب بغاوت ہند:

اس سلسلے میں سرسید کا ایک بہت بڑا کارنامہ ان کی کتاب "اسباب بغاوت ہند" ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے نہایت جرأت سے یہ بات ثابت کی کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کو جس آگ میں جلنا پڑا وہ دراصل خود انھی کی سلگائی ہوئی تھی۔ واقعات کی شہادت سے انہوں نے ثابت کیا کہ عیسائی پادریوں اور تنگ نظر انگریز افسروں نے طاقت کے نشے میں اندھے ہو کر اس ملک کے باشندوں کو ذلیل کرنا چاہا، ان کے مذہب پر حملہ کیا اور ۱۸۵۷ء کا غدر ان کی اسی غلط پالیسی کی وجہ سے رونما ہوا۔

اس کتاب کے مدلل اور معقول ہونے کی وجہ سے انصاف پسند انگریز قائل ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں اپنا رویہ بدلنے کی ضرورت محسوس کی۔

سرسید کا دوسرا بڑا کارنامہ:

انگریز حاکموں کے تعصب، غصے یا غلط فہمی کے علاوہ ہندوستان کے مسلمانوں کے تحفظ کے سلسلے میں ایک اور بڑی خرابی خود مسلمانوں کا طرزِ عمل تھا۔ حکومت چھن جانے کے بعد بھی وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اگر ہم نے انگریزوں کے ساتھ تعاون نہ کیا تو وہ حکومت کا کام نہ چلا سکیں گے اور انہیں بوریا بستر لپیٹ کر بھاگنا پڑے گا۔ اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر انہوں نے انگریزی زبان سیکھنے اور انگریزوں کی نوکری کرنے سے انکار کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسباب بغاوت ہند کے ذریعے انگریزوں کی رائے بدلنے کے بعد سرسید نے اپنی قوم کی طرف توجہ دی اور تحریروں اور تقریروں کے ذریعے انہیں یہ بات سمجھائی کہ اب ان کا بھلا اسی میں ہے کہ وہ انگریزوں کی حکومت کے ساتھ تعاون کریں۔

سرسید کا یہ کام بے حد مشکل تھا۔ عیسائی پادریوں کی تبلیغی سرگرمیوں اور ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے اس ظلم و ستم کے باعث جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا مسلمانوں کی اکثریت انہیں اپنا دشمن خیال کرتی تھی اور یہ یقین رکھتی تھی کہ وہ ان کا مذہب خراب کر دیں گے اور ان کی باتیں اپنانے سے اُن کے اندر بے حیائی پھیل جائے گی، لیکن سرسید احمد خاں نے لوگوں کو نہایت قابلیت سے یہ بات سمجھائی کہ اگر تم نے زمانے کے بدلے ہوئے حالات کا ساتھ نہ دیا تو وہ دونوں باتیں بہت جلد پوری ہو جائیں گی جن سے تم ڈرتے ہو۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ایک محکوم قوم طاقت در حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ غربت ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو مصیبت اور آزمائش میں بھی اپنے ایمان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

رفتہ رفتہ مسلمانوں کی سمجھ میں سرسید کی بات آئی اور انہوں نے مسلمان بچوں کو جدید علوم سکھانے کے لیے ایک کالج قائم کرنے کے لیے چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت زیادہ محنت کی اور حد سے زیادہ تکلیف اٹھائی۔ لوگوں نے انہیں طعنے دیے، ان کا مذاق اڑایا۔ ان کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں لیکن انہوں نے کسی بات کی پروا نہ کی۔ اور ان کے اس استقلال اور خلوص کی وجہ سے علی گڑھ کے مقام پر کالج کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یہی کالج آگے چل کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بنا اور اس سے فارغ التحصیل ہونے والے مسلمان نوجوانوں نے بڑے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدے حاصل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے بھنور سے نکالا۔

سرسیّد کی دینداری :

سرسید انگریزوں سے گہرا میل جول رکھتے تھے اور انہوں نے رہن سہن کے سلسلے میں ان کی بہت سی باتوں کو اپنا لیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ پکّے سچّے مسلمان تھے اور یہ بات برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص اُن کے دین پر حملہ کرے۔ انہیں اپنی قوم سے سچّی محبّت تھی اور انہوں نے مُسلمانوں کی بھلائی کے کاموں کو ہی اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنالیا تھا۔

ان کے دل میں کس درجہ دینی غیرت تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ خاص انگلستان میں بیٹھ کر انہوں نے "خطبات احمدیہ" جیسی کتاب تصنیف کی جس میں عیسائی مبلغین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی دینداری کا ایک اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلامی تعلیم کا بھی انتظام کیا اور کوٹ پتلون کی جگہ طلباء کی یونیفارم میں شیروانی اور پاجامے کو جگہ دی۔ انہوں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ مغربی علوم اور انگریزی زبان سیکھ کر مسلمان نوجوانوں کا قومی مزاج نہ بدل جائے۔ ان کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ مُسلمان اوّل و آخر مسلمان رہیں اور اُونچے سے اونچا عہدہ پا کر بھی اپنی قوم کے وفادار رہوں۔

اگرچہ وہ اپنی اس کوشش میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے، لیکن پھر بھی اتنی کامیابی ضرور ہوئی کہ علی گڑھ کے طلباء پر انگریزی تہذیب کا ویسا رنگ نہیں چڑھ سکا جیسا اور اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والوں پر چڑھا۔ اس یونیورسٹی میں تعلیم پانے والے طلباء میں مولانا محمّد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، سردار عبدالرب نشتر،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوابزادہ لیاقت علی خاں، ڈاکٹر ذاکر حسین اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدرِ پاکستان جیسے شاندار لوگ نکلے جنہوں نے اپنی قوم کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالا۔

اصلاحی سرگرمیاں :

تعلیمی میدان میں شاندار خدمات انجام دینے کے علاوہ سرسید نے اپنی قوم کی اصلاح کے لیے بھی شاندار کام کیا۔ مسلمانوں میں جو اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی اصلاح کے لیے انہوں نے تہذیب الاخلاق کے نام سے ایک رسالہ نکالا۔ اس رسالے میں مستقل طور پر خود بھی نہایت مفید مضامین لکھے اور دوسرے بلند پایہ ادیبوں اور شاعروں سے بھی اصلاحی مضامین نظم و نثر لکھوائے۔ ہمارے مشہور قومی شاعر خواجہ الطاف حسین حالی نے اپنی مشہور مسدس "مدوجزر اسلام" کے دیباچے میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ شہرۂ آفاق نظم میں نے سرسید کی خواہش کے مطابق ہی لکھی تھی۔

نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی اور مولانا شبلی نعمانی وغیرہ ہماری قوم کے بہت بڑے بڑے عالم، مؤرخ اور ادیب سرسید کے ساتھیوں میں تھے۔ ادبی تاریخ میں انہیں سرسید کے نورتن لکھا گیا ہے۔

ان کاوشوں اور کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں اپنی حالت سنوارنے کا عام جذبہ پیدا ہوا۔ انہوں نے بری رسوم کو ترک کیا، غلط قسم کے رواجوں سے پیچھا چھڑایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس قوم میں نئی زندگی کے آثار پیدا ہو گئے۔

وفات :

ایسی شاندار قومی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۸، مارچ ۱۸۹۸ء کو مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اس محسن اور بہی خواہ کا انتقال ہوا۔ ان کا مزار علی گڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں ہے اور آج بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ میرے اندر جس عظیم الشان انسان کا جسدِ خاکی آرام کر رہا ہے اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد مسلمانوں کی بقا اور اسلام کی سربلندی تھا۔

ہمیں سچے دل سے دُعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاک ان کے نیک کاموں کو قبول فرمائے۔ جنّت میں انہیں اونچا درجہ دے اور ہمیں ان کی طرح اسلام کا والا و شیدا بنائے۔ آمین۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت اکبر الٰہ آبادیؒ

حضرت اکبر الٰہ آبادی ہمارے ان محسن شعراء میں ایک بہت ممتاز مقام رکھتے ہیں جنہوں نے اپنی شعرگوئی کی اعلیٰ صلاحیتوں کو ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لیے استعمال کیا اور ان کی اس کوشش کے مفید نتائج بھی مرتب ہوئے۔

برصغیر پاک و ہند میں مغلوں کی سلطنت کا زوال اور انگریزوں کا برسرِ اقتدار آنا اس ملک کے مسلمانوں کے لیے دوہرا عذاب تھا۔ اقتدار سے تو وہ محروم ہوئے ہی تھے، اس سے بھی بڑا خطرہ اُن کے سامنے یہ کھڑا ہوا تھا کہ وہ اپنے ملی اور دینی تشخص سے محروم ہو جائیں گے۔ انگریزوں نے اس ملک میں قدم جماتے ہی میکالے کی اسکیم کے مطابق یہ کوشش شروع کر دی تھی کہ سیاسی اور فوجی غلبے کے بعد ہندوستانیوں پر نفسیاتی اور ذہنی غلبہ بھی جلد از جلد حاصل کیا جائے۔

اس ملک میں مسلمانوں کے علاوہ اور بھی قومیں آباد تھیں۔ ہندو تو اکثریت میں تھے اور یہ مہم سبھی اقوام کے خلاف شروع کی گئی تھی، لیکن مسلمانوں کے لیے اس کا خاص نقصان اس لیے تھا کہ اس ملک میں بسنے والی قوموں میں وہی ایک نمایاں ملی اور دینی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی طرح ان کا دین اپنی خالص صورت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجود تھا۔ ان کے مقابلے میں دوسری قوموں کا حال ایسا نہ تھا۔ وہ اپنے اصل مراکز سے اس طرح کھسکی ہوئی تھیں کہ ان کے لیے انگریزوں کا بندۂ بے دام بن جانے میں کسی قسم کی قباحت نہ تھی، چنانچہ یہ بات تاریخ میں محفوظ ہو چکی ہے کہ جب انگریزوں نے انگریزی کو عدالتی اور دفتری زبان بنا دیا اور ٹائی اور پتلون کی تہذیب کو رواج دینے کا فیصلہ کیا تو وہ ادنیٰ سی ہچکچاہٹ کے بغیر اس سب کو اپنانے پر آمادہ ہو گئے، جب کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور بہت نقصان اٹھایا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ انگریزی زبان اور انگریزی تہذیب سے مسلمانوں کی نفرت صرف اس لیے نہ تھی کہ ان کا تعلق اس قوم سے تھا جس نے ان سے حکومت چھینی تھی، بلکہ یہ تہذیب، تہذیب و شرافت کے اس تصور سے متصادم تھی جو مسلمانوں کے ذہنوں میں بسا ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان اپنی عملی زندگی میں اس قرآنی اخلاق اور قرآنی تمدن سے خاصے دور ہو گئے تھے جس کے وارث ہونے کا انہیں دعویٰ تھا اور یہی بے عملی ان کے زوال کا سبب بنی تھی، لیکن پھر بھی وہ اعلیٰ انسانی اوصاف میں انگریزوں سے ہزاروں گنا زیادہ بہتر تھے اور یہی کیفیت یورپی تہذیب و تمدن کے مقابلے میں ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی تھی۔ انگریز شراب خور تھے، جواری تھے، جعل ساز اور دھوکہ باز تھے۔ ایفائے عہد ان کے نزدیک بے معنی بات تھی، زنا ان کے نزدیک ایک جائز بلکہ ضروری فعل تھا۔ ان کے ہاں حلال حرام کا کوئی تصور موجود نہ تھا، غرض ان کا تمدن اور ان کی معاشرت اس پاکیزہ انسانی تمدن اور معاشرت سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتی تھی جس سے مسلمان نہ صرف آشنا تھے، بلکہ اپنے دورِ زوال میں بھی کسی نہ کسی حد تک اسی کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ ادھر انگریزی اس پاکیزہ طرزِ زندگی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ صرف منحرف ہی تھے، بلکہ انہوں نے حکومت کی طاقت استعمال کر کے اپنی اس ناقص تہذیب کو، اس ملک کے باشندوں پر مسلط کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ انہوں نے انگریزی زبان کو دفتری اور عدالتی زبان بنا دیا تھا۔ قدیم عدالتی نظام کی جگہ اپنا نظام جاری کر دیا تھا۔ شراب، بھنگ، چرس اور افیون وغیرہ نشہ آور چیزوں کے لائسنس جاری کر کے ان کی دکانیں کھلوا دی تھیں اور اپنی بے غیرتی اور فسق وفجور کی تہذیب کی بہت ہی گھناؤنی علامت عصمت فروشی کو قانونی تحفظ دے دیا تھا۔ کوئی بھی عورت درخواست دے کر اور مقررہ فیس ادا کر کے لائسنس حاصل کر سکتی تھی اور سج بن کر کھلے بازار میں بیٹھ سکتی تھی۔

۱۸۵۷ء میں فوجی غلبہ حاصل کر کے انگریزوں نے جو تشدد کیا تھا اس کی وجہ سے اس ملک کے عام باشندوں پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ ہر وہ طاقت توڑ دی گئی تھی جو مدافعت کر سکتی تھی۔ کروڑوں ہندوستانی بے رحم اور تشدد پرور لیٹر فاتحین کے رحم و کرم پر تھے اور ان کا یہ منصوبہ پورا ہوتا نظر آتا تھا کہ برصغیر میں آباد شریف اور نجیب نسلیں فسق وفجور میں مبتلا ہو کر ذہنی غلامی قبول کر لیں گی۔

ایسے حالات میں حضرت اکبر الہ آبادی اور ان جیسے دیگر ذی شعور حضرات نے اس تہذیبی یلغار کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی اور یہ بات کسی مبالغے کے بغیر ہے کہ اس کارواں کے میر کارواں حضرت اکبر الہ آبادی ٹھہرتے ہیں۔ انہوں نے ایک اچھوتے، بہت خوبصورت اور دلنشیں انداز میں تہذیب مغرب کو ہدف تنقید بنایا اور اس کا وہ خول اتار کر پھینک دیا جس کی وجہ سے وہ نگاہوں میں کھبتی چلی جا رہی تھی۔

ان کا یہ انداز طنزیہ اور مزاحیہ تھا اور اس کے پیچھے ان کے وسیع علم اور گہرے مطالعے کی ایسی قوت تھی کہ قاری کے دل و دماغ پر گرفت کر کے اُسے اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمنوا بنالیتی تھی ۔ ایسی مقصدی شاعری بالعموم اُس حُسن اور اثر سے محروم ہوتی ہے جو آمد کی شاعری کو نصیب ہوتا ہے، لیکن حضرت اکبر کو فن شعر گوئی میں وہ کمال حاصل تھا کہ ان کے اشعار پُر تاثیر بھی ہیں اور خوبصورت بھی۔ غالب کے اس شعر کے مطابق سے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ، نوائے خامہ پیام سروش ہے

وہ بے تکان لکھتے چلے جانے والے پُر گو شاعر تھے، لیکن ان کے کلام میں کہیں جھول یا کسی نوعیت کا فنی سقم تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ لگتا ہے شاعر کے دل و دماغ پر ایک نوعیت کی الہامی کیفیت طاری ہے اور وہ اپنی ملّت کے شاندار ماضی کے حوالے سے مستقبل کے خطرات سے آگاہ کر رہا ہے۔ چنانچہ انھی خوبیوں کی وجہ سے ان کے کلام نے ان کی زندگی ہی میں مقبولیت کا درجہ حاصل کر لیا اور معاشرے پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہونے لگے ۔ ہم کہہ سکتے ہیں غلامی کا ہولناک عذاب جھیلنے کے بعد بھی اگر مسلمان اپنا ملّی تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے اور ان میں آزادی حاصل کرنے کا دم خم باقی رہا تو اس کا ایک بڑا سبب کلامِ اکبر بھی ہے ۔

اس دور کا ایک بڑا فتنہ لادینیت کا بڑھتا ہوا رجحان تھا۔ سائنس کے فروغ نے مادی علوم کو ایسا اعتبار بخش دیا تھا کہ ان کی طرف سے بے اعتنائی ممکن ہی نہ تھی اور ان کی بنیاد یہ نظریہ تھا کہ جو بات عقل سے ماورا ہے غلط ہے ۔ نت نئی ایجادات میں مصروف یورپ و امریکہ نے عیسائیت سے تو انکار نہ کیا تھا لیکن ان کے اذہان میں خدا کا تصوّر دھندلا گیا تھا ۔ اب یہ عقیدہ رسمی رہ گیا تھا کہ اس کائنات کو خدا نے پیدا کیا ہے اور انسان کا وجود اور اس کی ساری صلاحیتیں اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا عطیہ ہیں، بلکہ ہر چیز کی پیدائش اور اس کے وجود کے بارے میں علت و معلول کا سلسلہ تلاش کیا جاتا تھا۔ اور انسان کی پیدائش کے بارے میں ڈارون کی یہ تحقیق درست تسلیم کی جا رہی تھی کہ اس نے بوزنے کی حیثیت سے ترقی کر کے یہ مقام حاصل کیا ہے۔

مادہ پرست فلسفیوں کی باتیں محض خیالی ہوا بھی نہ تھیں، وہ مخفی قوتیں ثابت کر کے اپنے نظریات کی صداقت ثابت کر رہے تھے، لیکن خدا کے وجود اور تخلیقِ کائنات کے بارے میں انہوں نے یقیناً ٹھوکر کھائی تھی اور خدا پرستوں کی مجبوری یہ تھی کہ وہ دلیل کی ویسی قوت کے ساتھ اپنی بات کا مبنی برحق ہونا ثابت کرنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ حضرت اکبر نے اپنے مخصوص انداز میں انکار کرنے والوں کا مقابلہ کیا اور ان کا بڑھتا ہوا اثر کم کرنے میں کامیاب رہے۔ کم از کم اپنے خطے کے لوگوں کو تو انہوں نے کھلم کھلا کافر بن جانے سے بچا لیا۔ ان کے کلیات میں اس موضوع پر بہت شعر ہیں اور ایسے پُر لطف اور اثر آفریں ہیں کہ ذہن پر ان کا فوری اور بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ ڈارون کے جواب میں فرمایا ؎

کہا منصور نے خدا ہوں میں : ڈارون بولا بوزنا ہوں میں

سُن کے کہنے لگے مرے اک دوست : فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

ایک شعر میں فرمایا:

یا الٰہی یہ کیسے بندر ہیں : ارتقاء پر بھی آدمی نہ ہوتے

مکرر فرمایا:

شاگردِ ڈارون تو مقدر نے کر دیا : اکبر مگر نہیں ہے مداری کے ہاتھ میں

وجود باری تعالیٰ کے بارے میں فرمایا:

ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا : جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت اکبر نے اس یورپی تہذیب سے بہت زیادہ نفرت دلائی ہے جسے ان کے ہم وطن بڑی رغبت سے اپنا رہے تھے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا ان کی یہ کوشش کسی نوعیت کے تعصب کی وجہ سے نہ تھی بلکہ پتلون اور ہیٹ کے پیچھے چھپی ہوئی اس بے راہروی کی وجہ سے تھی جو بالیقین انسان کو اس کے مقام سے گرا دینے والی تھی۔ اس وقت اسے ایک خیالی خطرہ کہا جا سکتا تھا، کیونکہ اس کے مضر اثرات کا آغاز ہی ہوا تھا اور انگریزوں میں بھی ابھی ایسے خاندان موجود تھے جو اپنے مذہب کی پابندی کرتے اور اخلاقی ضابطوں کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ اس تہذیب کی ہلاکت آفرینی کا اندازہ تو آج کے یورپ اور امریکہ کی حالت دیکھ کر کرنا چاہیے کہ انسان جنس کے معاملے میں حیوانوں کو پیچھے چھوڑ رہا ہے۔ یہی حال زندگی کے دوسرے شعبوں میں زوال کا ہے۔

یقیناً یہ حضرت اکبر الٰہ آبادی کی ایمانی بصیرت تھی کہ انہوں نے آغاز ہی میں اس کے انجام کا اندازہ کر لیا تھا اور اپنے ہم وطنوں کو اس سے نفرت دلانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں ان کے کچھ اشعار دیکھیے۔

مار و کژدم رہ گئے، کیڑے مکوڑے رہ گئے
صورتیں تو ہیں مگر انسان تھوڑے رہ گئے
خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سدِ راہ
گھر گئے سنگِ نشاں سڑکوں پہ روڑے رہ گئے
پردہ در کی رائے سن کر بیبیاں کہنے لگیں
اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچہریوں میں ہے پرستش گریجویٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور میٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

سوپ کا شائق ہوں یخنی ہو گی کیا
چاہیے کٹلٹ میں قیمہ کیا کروں
لیتھرج کی چاہیے ریڈر مجھے!
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا یہ ان سے آپ کے پردے کو کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

دل کو بھی ان سے ملنے سے بہتر ہے احتراز
ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر
جو ہے زباں پہ دل کو نہیں اس سے فائدہ
جو دل میں ہے وہ لا نہیں سکتے زبان پر
شکرِ خدا کہ شرم کی تکلیف سے بچے
یاروں کی اب تو بھیڑ ہے مے کی دکان پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

ہیں ممکن نہیں نظارۂ موجِ فرات
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجیے

واہ کیا ڈھنگ ہے میرے بھولے کی
شکل کولے کی ہیئت سولے کی

یہاں یہ چند شعر ہی درج کرنے کی گنجائش تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت اکبر کا پورا کلام منتخب ہے۔ انسان پڑھتا جائے اور جھومتا جائے۔ انہوں نے ہنسی ہنسی میں ایسی باتیں کہہ دی ہیں کہ بہت محترم مصلحین کی تحریروں اور تقریروں ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغربی تعلیم سے دل ایشیا کا ہے ملول
کر دیا خلقت کو اس نے بے تمیز و بے اصول
جو کرے اصلاح اس کی مدح کا ہے مستحق
اور باتوں کو بظاہر میں سمجھتا ہوں فضول

مسلمانوں کی زبوں حالی اور زوال پر بھی اکبر نے بہت حکیمانہ انداز میں روشنی ڈالی۔ اس موضوع کے چند شعر دیکھیے:۔

جو ہر فلک کا ماجرا آپ سے کیا بیاں کریں
تفرقہ دیکھیے ذرا، ہم پہ ہیں یہ عجیب دن
عقل سپردِ ماسٹر، مال سپردِ آنجناب
جان سپردِ ڈاکٹر، روح سپردِ ڈاردن

نہ ہتھیار کا ہے نہ زور
کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں
تہہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر
کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا خاص اعزاز یہ بھی ہے کہ اللہ پاک نے انہیں مقبولیت کا درجہ دیا اور ان کے افکار سے متأثر ہو کر لوگ اپنی اصلاح پر آمادہ ہوئے۔

ذاتی اور خاندانی حالات:

حضرت اکبر الٰہ آبادی کا سلسلۂ نسب حضرت امام رضاؓ سے ملتا ہے۔ ان کے اَجداد سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں خراسان سے ہندوستان آئے اور یہاں علمی اور فوجی مہمات میں مصروف رہے۔ ان کے دادا سیّد محمد زمان فوج میں صوبیدار تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ سیّد فضل الدین اور سیّد فضل محمد۔ سیّد محمد فضل کے بیٹے سیّد تفضّل حسین تھے اور ان کے صاحبزادے سیّد اکبر حسین اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی۔ اکبر ۱۲۶۱ھ میں بمقام بارہ ضلع الٰہ آباد پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش سے پہلے ان کی والدہ صاحبہ نے خواب دیکھا مغربی اُفق پر چاند طلوع ہوا اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔ والدہ صاحبہ نے دامن پھیلا دیا اور چاند ان کے دامن میں سما گیا۔

نومولود کا تاریخی نام خورشید عالم رکھا گیا، لیکن پھر کسی بزرگ کی بشارت پر اکبر حسین تجویز ہوا۔ ان کی ایک عزیز خاتون نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جنہوں نے تاکید کی کہ اس بچے کا نام اکبر حسین رکھو، یہ بہت صاحبِ نصیب ہوگا اور بلند مرتبہ پائے گا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت ایک روایت کے مطابق داؤد نگر ضلع گیا صوبہ بہار میں اور دوسری روایت کے مطابق سورام پور ضلع الٰہ آباد میں ہوئی، جہاں انہیں ان کی دادی صاحبہ لے گئی تھیں۔ اکبر جسمانی لحاظ سے تو کمزور تھے، لیکن ذہانت غیر معمولی پائی تھی۔ صرف نو برس کی عمر میں ایسا عمدہ خط لکھنے لگے تھے کہ خاندان کی خواتین کوشش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرکے ان سے خط لکھواتی تھیں۔ عمر دس برس ہوئی تو الہ آباد آگئے اور یہاں مشن اسکول میں داخل ہوئے۔ مطالعے کا انہیں بچپن سے شوق تھا۔ اس کے ساتھ کھیل کود کے بھی شوقین تھے۔ ورزش بھی کرتے تھے اور شکار کے لیے بھی جایا کرتے تھے۔ بندوق کا نشانہ بہت اچھا تھا، کھیلوں میں کبڈی کے اچھے کھلاڑی تھے۔

تعلیم کے میدان میں علم حساب میں خاص قابلیت حاصل کی۔ یہ علم انہوں نے اپنے والد صاحب سے سیکھا جو اس کے ماہر تھے۔ یہ بات معلوم نہیں ہوسکی کہ مشن اسکول میں کتنا عرصہ زیر تعلیم رہے اور کس درجے تک تعلیم مکمل کی، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ مطالعے کا ذوق مثالی تھا۔ نوعمری میں الف لیلا، باغ و بہار اور آرائش محفل جیسی ضخیم کتابیں پڑھ ڈالیں اور فارسی اور انگریزی زبانیں اتنی سیکھ لیں کہ ان کی عبارتیں پڑھنے اور سمجھنے میں دقت محسوس نہ کرتے تھے۔

روزگار کی تلاش:

۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پہلے حضرت اکبر کا خاندان خوشحال تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اسکول جایا کرتے تھے، لیکن اقتدار انگریزوں کے ہاتھ میں آیا تو اس خاندان کی مالی حالت استوار نہ رہی اور صرف ۱۴ برس کی عمر میں اس نابغۂ روزگار شخص کو تعلیم ترک کر کے حصولِ معاش کے لیے نکلنا پڑا۔

اس سلسلے میں خاندان کے بزرگوں نے یہ طے کیا کہ عدالتی نظام سے وابستہ ہوں، چنانچہ انہیں ایک وکیل کے سپرد کیا گیا کہ وہ انہیں محرری سکھائیں، لیکن ان صاحب نے ان کی طرف توجہ نہ دی اور انہیں خاندان ہی کے ایک صاحب کے سپرد کیا گیا جن کا نام علی حسین تھا اور پروانہ نویس کے عہدے پر کام کر رہے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے حضرت اکبر کو پروانہ نویسی کی تربیت دی اور جلد ہی نائب پروانہ نویس کی عارضی جگہ دلوا دی۔ یہ ۱۸۵۸ء کا زمانہ تھا۔

اس کے بعد مسٹر آر ڈبلیو آئی بنس مجسٹریٹ الٰہ آباد نے چند کارکن رکھنے کے لیے عرضیاں طلب کیں تو اکبر بھی امیدواروں میں شامل ہو گئے اور بشرے سے ظاہر ہونے والی ذہانت وفطانت کی وجہ سے ان صاحب نے نہ صرف انہیں ملازم رکھ لیا بلکہ اپنی کوٹھی میں رہائش کی جگہ دی اور یہ سہولت فراہم کی کہ وہ تحصیلداری کی تربیت حاصل کریں۔

اپنی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے حضرت اکبر کو کئی اور انگریزوں کی توجہ حاصل ہوئی اور ترقی کا زینہ چڑھتے چلے گئے۔ اس سلسلے میں بہت دلچسپ واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت ذہین اور بہت قابل ہونے کے ساتھ بہت بہادر بھی تھے۔ ان کے صاحبزادے سید عشرت حسین نے "حیاتِ اکبر" میں لکھا ہے کہ وہ اپنی عرضی کا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے ایک انگریز افسر کی کوٹھی میں داخل ہوتے تو اس نے اپنے چپراسی کو کتے کی زنجیر کھول دینے کا حکم دیا۔ خوفناک کتا حضرت اکبر پہ جھپٹا، لیکن وہ ڈر کر بھاگے نہیں بلکہ کتے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی جگہ کھڑے رہے۔ انگریز ان کی اس جرأت سے بہت متاثر ہوا اور آواز دے کر کتے کو روکا۔

یقیناً یہی وہ صفات تھیں جو قدم قدم پر حضرت اکبر کے لیے سفارش بنتی چلی گئیں۔ انہوں نے ملازمت کرتے ہوئے ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۴ء میں سیشن جج کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو اس عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں جج ہائی کورٹ کے لیے بھی آن کا نام پیش کیا گیا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اپنے عہدے پر کام کرتے ہوئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۲۰ء میں پنشن لے لی۔

اس بلند منصب پر فائز ہونے سے پہلے انہوں نے تحصیلداری کی ڈگری نویس رہے اور چیف جسٹس کے مثل خواں بنائے گئے اور یہ سبھی عہدے انہیں ان کی ذاتی اہلیتوں کی وجہ سے ملے اور مزید ترقی کا سبب بنتے چلے گئے۔ ایک بلند مرتبت شاعر ہونے کے علاوہ حضرت اکبر کی زندگی کا یہ پہلو بھی ایسا درخشاں ہے کہ اسے اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

شادی :

خاندانی حالات کے باعث حضرت اکبر کی پہلی شادی صرف ۱۴ برس کی عمر میں ہوئی۔ نو عمر ہونے کے علاوہ روزگار کا بھی مناسب بندوبست نہ تھا اور شاید انہی سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ میاں بیوی میں اپنائیت کا ویسا رشتہ قائم نہ ہوا جیسا ہونا چاہیے۔ ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ خاتون کی عمر بھی زیادہ تھی اور دیہاتی زبان بولتی تھی۔ بہر حال علیحدگی تو نہ ہوئی کہ اس زمانے کے مسلمان شرفاء میں اسے بہت معیوب خیال کیا جاتا تھا' لیکن زندگی پُرسکون بھی نہ گزری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان کے بزرگوں نے ان کی دوسری شادی کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور نومبر ۱۸۷۶ء میں انہوں نے دوسری شادی کی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے تین شادیاں کیں۔ تیسری شادی دوسری بیوی کے انتقال کے بعد کی۔

شاعری :

حضرت اکبر الٰہ آبادی نے شعر گوئی کا آغاز اس وقت کیا جب ان کی عمر صرف دس برس تھی۔ چودہ برس کے ہوتے تو کلام میں خاصی پختگی آ گئی۔ اس بات سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان خوش نصیب شعراء میں سے تھے جنہیں اللہ پاک کی طرف سے شعر گوئی کا ملکہ بطورِ خاص ودیعت ہوا۔ آغاز میں انہوں نے اپنا کلام حضرت غلام حسین وحید مانک پوری کو دکھایا، لیکن آگے چل کر اصلاح سے بے نیاز ہو گئے اور بے شمار شاعروں کے استاد بنے۔ علامہ اقبال نے انہیں اپنا معنوی اُستاد لکھا ہے۔

زمانے کے چلن کے مطابق شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا اور اس میں بھی معاملہ بندی کا رنگ غالب رہا، لیکن جیسے جیسے عمر بڑھی اور رنگ سخن نکھرا قومی اور ملی مسائل نظم کرنے کی طرف راغب ہوتے چلے گئے۔ اور پھر تو خود کو اصلاح ملک و ملت کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی شاعری کے اس خاص رنگ کے بارے میں آغاز میں چند باتیں لکھی گئی ہیں، اب دہرانے کی ضرورت نہیں، صرف یہ اضافہ کافی ہے کہ ان کا یہ رنگ ایسا تھا کہ وہ بہت جلد مُلک کے علمی، سیاسی اور دینی حلقوں میں متعارف اور مقبول ہو گئے۔ ان کے کلام کی دھوم مچ گئی اور وہ اپنے زمانے کے مقبول ترین شاعر بن گئے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مُسلم بھی ان کے تازہ اشعار پڑھنے کے لیے بے چین رہتے تھے اور مُلک کے مؤقر جرائد میں ان کا کلام اہتمام سے شائع کیا جاتا تھا۔ یقیناً یہ مقبولیت خداداد تھی اور اس لیے تھی کہ انہوں نے اپنے ذہن اور اپنے قلم کو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُمت کی اصلاح کے لیے وقف کر دیا تھا۔

وفات :

حضرت اکبر کی زندگی کے آخری ایام جسمانی اور ذہنی تکلیف میں گزرے۔ آخری عمر میں انہیں اپنے جواں بیٹے ہاشم کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جسے وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت چاہتے تھے۔ بیوی کا انتقال ہو گیا جس کی رفاقت کی ضرورت اس عمر میں زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نقاہت اور بیماریوں نے انہیں مضمحل کر دیا، تاہم وہ ان حالات میں بھی ایک مومن کی شان سے اپنے رب کی طرف رجوع کیے رہے۔ ان کی زبان پر شکوے شکایت کے الفاظ تو آتے تھے، لیکن یہ امید قوی ہوتی جاتی تھی کہ وہ جوارِ رحمت میں جا رہے ہیں اس جنت کی طرف جس سے انہیں نکالا نہ جائے گا۔ ان کے صاحبزادے سید عشرت حسین صاحب نے "حیاتِ اکبر" میں لکھا ہے :۔

"خواجہ صاحب (خواجہ حسن نظامی) کے پہنچنے سے دو دن پہلے ان پر غشی طاری ہو گئی تھی، لیکن جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب یکایک ہوش آ گیا۔ بیٹھ گئے اور کہا "قرآن شریف اور عینک لاؤ"! بتایا گیا کہ رات ہے، نگاہ پر زور پڑے گا۔ بولے تلاوت اور تہجد کا ناغہ کر دوں؟ یہ جملہ ختم ہوتے ہی پھر بے ہوش ہو گئے۔"

(حیاتِ اکبر۔ ص ۱۳۱)

انتقال اس حالت میں ہوا کہ حضرت خواجہ حسن نظامی کے زانو پر سر تھا اور خواجہ صاحب حزب البحر کا ورد کر رہے تھے۔ ستمبر ۱۹۲۱ء میں وفات پائی اور الہ آباد کے قبرستان کالا ڈانڈا میں دفن کیے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمدؒ علی جوہرؒ

اسلامی تاریخ میں جن بڑے آدمیوں کے نام سنہری حرفوں میں لکھنے کی ضرورت ہے، ان میں مولانا محمدؐ علی جوہر مرحوم و مغفور بھی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا کہ برّصغیر پاک و ہند کو ۱۹۴۷ء میں جو آزادی نصیب ہوئی ہے، وہ بڑی حد تک مولانا مرحوم ہی کا صدقہ ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ہماری قوم میں آج جو سیاسی سُوجھ بوجھ، اپنے دین اسلام سے گہرا لگاؤ اور دوسرے مُلکوں میں بسنے والے مسلمانوں سے پیار اور ہمدردی کا سچا جذبہ ہے وہ بھی بڑی حد تک اسی مخلص لیڈر کا دیا ہوا ہے۔

مولانا محمدؐ قاسم نانوتوی اور سر سیّد کے ذکر میں ہم یہ بات بتا چُکے ہیں کہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر مکمل قبضہ کر لیا تو مسلمان قوم دو حصّوں میں بٹ گئی۔ ہمارے علماء نے یہ راستہ اختیار کیا کہ انگریزی حُکومت کو کسی کام میں مدد نہ دی جائے۔ مسلمان اپنے مذہب کی باتوں کو پوری طرح سیکھیں اور اس غیر مُلکی حکومت کو ختم کر کے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں، یہاں تک کہ پھر ہماری قومی حُکومت قائم ہو جائے۔

دوسرا گروہ انگریزی حُکومت کو ایک زبردست طاقت خیال کرتا تھا۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک اب مسلمانوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ وہ انگریزی زبان سیکھ کر سرکاری دفتروں میں عُہدے حاصل کریں اور انگریزوں کو یہ یقین دلائیں کہ ہندوستان کی دوسری قوموں کی طرح مسلمان بھی ان کی وفادار رعایا ہیں۔

ظاہر ہے انگریزی حکومت کی ہمدردی مسلمان قوم کے اس دوسرے گروہ کے ساتھ تھی اور چونکہ ساری طاقت انہی کے ہاتھ میں آگئی تھی، اس لیے انہوں نے اپنے ان دوستوں کو بڑے بڑے عُہدے دیئے، ان کے وظیفے مقرر کیے اور جاگیریں دیں۔

اگرچہ ظاہری طور پر یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ گروہ جس کے لیڈر سر سید مرحوم و مغفور تھے کم ہمت اور دُنیا پرست تھا، لیکن حقیقت یہ نہیں، ہمارے نزدیک انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا اور ان کی زبان سیکھنا ان لوگوں کی ایک اچھی تدبیر تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان اسی طرح انگریزوں کے دشمن بنے رہے اور وہ بھی انہیں اپنا مخالف خیال کرتے رہے تو مسلمان پس جائیں گے اور کچھ عرصہ بعد ہی ان کی حالت اچھوتوں کی سی ہو جائے گی۔ ان کے ذہن میں یقیناً یہ بات تھی کہ اپنی مالی حالت درست کرنے کے بعد ہم اپنے مذہب کی حفاظت زیادہ بہتر طریقے سے کرسکیں گے۔

دوسری طرف انگریز بھی ایسے ناداں نہ تھے۔ انہوں نے ساری باتوں کو سمجھتے ہوئے ایسا انتظام کیا کہ جو لوگ اپنی قوم سے کٹ کر ان سے آملے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے ہمارے ہی ہو کر رہ جائیں۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے خالص مسلمانوں کے چندوں سے قائم ہونے والے تعلیمی اداروں میں بھی ہوشیار انگریزوں کو داخل کیا اور یہ پابندی لگائی کہ ان اسکولوں اور کالجوں میں صرف وہی کورس پڑھایا جائے حکومت جس کی منظوری دے۔

انگریزی حکومت کی یہ پالیسی بے حد کامیاب رہی۔ حکومت کے دفتروں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھرتی ہونے والے یہ مسلمان اپنی نیک نیتی اور اچھی خواہشوں کے باوجود آہستہ آہستہ اپنی قوم سے کٹتے گئے اور اپنے مذہب سے ان کی وفاداری کمزور ہوتی گئی اور پچاس ساٹھ سال کے معمولی سے عرصے ہی میں مسلمان قوم کے اندر ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو مردم شماری کے خانے میں تو اپنا مذہب اسلام ہی لکھاتا تھا اور اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر بھی تھا، لیکن اعمال اور خیالات کے لحاظ سے اُسے اسلام سے کوئی واسطہ نہ رہ گیا تھا۔ ان لوگوں کے دلوں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی جگہ لندن کی قدر زیادہ تھی اور وہ اپنے بزرگوں کے مقابلے میں یورپ کے لادین فلسفیوں اور ادیبوں کو زیادہ ماننے لگے تھے۔ ہمارے مشہور شاعر حضرت اکبر الہ آبادی نے انہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے ؎

گیا ہے شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھے گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

حضرت مولانا محمد علی جوہر ابتدا میں اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علی گڑھ کے بعد اُنھوں نے آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی تھی، لیکن اللہ پاک نے اپنی خاص رحمت سے اُن کے دل کو یوں بدل دیا کہ علی گڑھ یونیورسٹی اور آکسفورڈ لندن سے اعلیٰ ڈگریاں لے کر انگریزی حکومت کا پُرزہ بن جانے کی جگہ انہوں نے اپنی غریب قوم کی حالت سدھارنے کا عزم کیا اور خود کو اپنے مقدس دین اسلام کی عظمت بڑھانے اور حفاظت کرنے کے لیے وقف کر دیا۔

اس بڑے کام میں ان کے بھائی مولانا شوکت علی مرحوم و مغفور اور ان کی محترم والدہ صاحبہ بھی، ان کی ساتھی بنیں۔ اس لحاظ سے مولانا محمد علی جوہر کی کہانی دراصل تین شخصیتوں کی اکٹھی کہانی ہے، بلکہ ان سب باعزت، بہادر مسلمانوں کی کہانی ہے جنہوں نے دنیاوی فائدوں اور عیش و عشرت کو چھوڑ کر اپنے دین اور اپنی قوم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ان گنت تکلیفیں برداشت کیں۔

قابلیت اور ذاتی اوصاف کے لحاظ سے مولانا محمد علی بہت اونچا درجہ رکھتے تھے، وہ جادو نگار ادیب تھے، بلند پایہ شاعر تھے، بے مثل خطیب تھے اور سیاسی تحریکوں کو چلانے کی بے پناہ قوت رکھتے تھے۔

خاندان :

مولانا محمد علی جوہر کے بزرگ روہیلکھنڈ کے شہر نجیب آباد[1] میں رہائش رکھتے تھے۔ پھر انہوں نے مشہور ریاست رامپور میں سکونت اختیار کی۔ اس ریاست پر ایک پٹھان خاندان حکومت کرتا تھا۔ مولانا کے بزرگ دربار سے وابستہ تھے اور ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ خوشحال ہونے کے علاوہ اس خاندان کو علم و ادب سے بھی گہری وابستگی تھی۔

ایسے خوشحال اور علم پرور خاندان میں مولانا نے ۱۸۷۸ء میں جنم لیا۔ ان کے دو بھائی اور تھے۔ ان تینوں بھائیوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی محترم والدہ کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ اس شیر دل خاتون کو ہماری تاریخ میں بی اماں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے خلافت کی تحریک میں مردوں سے بڑھ کر کام کیا تھا۔

تعلیم :

مولانا نے ابتدائی تعلیم رامپور میں حاصل کی۔ اس کے بعد ایک قریبی شہر

---

[1] یہ شہر ضلع بجنور اترپردیش بھارت کی اسی نام کی تحصیل کا صدر مقام ہے۔ اس علاقے میں روہیلہ پٹھان آباد تھے، اسی لیے روہیلکھنڈ کہلایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریلی کے ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ اس سکول میں دو سال رہے اور پھر علی گڑھ آ گئے۔ اس زمانے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا اور سب سے اچھا تعلیمی ادارہ تھا۔ سرسید اور ان کے مخلص ساتھیوں نے یہاں نہایت اچھا تعلیمی ماحول پیدا کر دیا تھا۔ استاد بھی قابل تھے اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں بھی میسر آتی تھیں۔ ایسی عمدہ فضا میں مولانا محمد علی جوہر کے جوہر خوب نمایاں ہوئے۔ کھیل کے میدان میں بھی اُن کا بہت نام تھا اور ادب کی محفلوں میں بھی انہیں خوب داد دی جاتی تھی۔ بی۔ اے کے امتحان میں وہ یونیورسٹی میں اوّل رہے۔

ایسے اعزاز سے بی۔ اے کرنے کے بعد مولانا لندن تشریف لے گئے اور وہاں کے وسیع تعلیمی ادارے آکسفورڈ میں داخلہ لیا۔ ایک لائق طالب علم اور اونچے کردار کے نوجوان کی حیثیت سے اُن کی شہرت یہاں بھی برقرار رہی، بلکہ اس میں اضافہ ہوا۔ اس زمانے میں مولانا انگریزی وضع قطع کا لباس پہنتے تھے اور ان کے رہنے سہنے کے طریقے بھی انگریزوں جیسے تھے، لیکن ان کا دل پکا مسلمان تھا، ان کی زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ فلاں بات میں انہوں نے اپنے دین کے خلاف عمل کیا۔

ریاست بڑودہ کی ملازمت:

تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا وطن تشریف لائے تو ریاست بڑودہ کے راجہ صاحب نے انہیں اپنی ریاست میں جج کے عہدے پر مقرر کیا۔ اس کے بعد ترقی دے کر ہوم کمشنر بنا دیا۔ اگرچہ مولانا کی یہ زندگی ہر لحاظ سے شاندار تھی۔ رہنے کے لیے آراستہ کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ خدمت کے لیے نوکر چاکر مقرر تھے اور تنخواہ بھی معقول تھی۔ کوئی معمولی درجے کا آدمی ہوتا تو ساری زندگی اسی نوکری کے چکّر میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزار دیا، لیکن مولانا اس چمکیلی، بھڑکیلی زندگی سے مطمئن نہ تھے۔ اُن کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ اپنے وطن کی آزادی اور اپنی غریب قوم کی عزت کے لیے کام کریں۔ اس سلسلے میں وہ ہندوستان کے اونچے درجے کے اخباروں میں مضامین لکھتے رہتے تھے اور یہ مضامین نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مولانا نے اس اچھی ملازمت کو لات مار کے اپنا سارا وقت قوم اور مُلک کی خدمت میں صرف کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہوا یہ کہ ان کے محکمے میں ایک غیر مسلم افسر رکھا گیا۔ یہ افسر بہت متعصب اور مسلمانوں کو کم درجے کا سمجھتا تھا۔ ایک دن اُس نے مشہور مسلمان بادشاہ حضرت اورنگ زیب عالم گیرؒ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ اگرچہ عہدے کے لحاظ سے وہ مولانا سے بڑا تھا، لیکن مولانا اس کی اس گستاخی کو برداشت نہ کرسکے، اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اس وجہ سے وہ آپ کا مخالف بن گیا۔ مولانا کے دل میں اس ملازمت کی قدر ہوتی تو بڑا افسر ہونے کے باوجود وہ آپ کا بال بیکا نہ کرسکتا تھا، لیکن آپ تو پہلے ہی دل برداشتہ تھے، لہٰذا نوکری چھوڑ دی۔

کامریڈ کا اجراء:

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد مولانا نے کلکتہ سے انگریزی زبان کا اخبار کامریڈ جاری کیا۔ اگرچہ بمبئی اور کلکتہ سے انگریزی زبان میں کئی اچھے اخبار نکلتے تھے لیکن کامریڈ ان سب سے بازی لے گیا۔ اس کامیابی کی خاص وجہ یہ تھی کہ مولانا انگریزی زبان میں بہت زیادہ قابلیت رکھتے تھے، اس کے علاوہ ان کے دل میں اپنے وطن اور اپنی قوم کا سچا درد تھا۔ وہ جو مضمون بھی لکھتے تھے لوگوں کے دلوں میں اُتر جاتا تھا۔ کامریڈ کی کامیابی کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگریزی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کے بڑے بڑے افسر اور بڑے بڑے انگریز ادیب اس اخبار کو نہایت شوق سے پڑھتے تھے اور اس کی فائلیں محفوظ رکھتے تھے۔ ایک انگریز افسر کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جب وہ ریٹائر ہو کر اپنے وطن انگلستان گیا تو اپنے ایک اخبار نویس دوست کے لیے کامریڈ کی فائل تحفے کے طور پر لے گیا۔ اس نے خود مولانا سے یہ بات کہی کہ میں اپنے اس دوست کے لیے ہندوستان سے اس سے اچھا تحفہ نہیں لے جا سکتا۔

ہمدرد :

جس زمانے میں کامریڈ جاری کیا گیا ہندوستان کا دارالحکومت کلکتہ تھا، لیکن چونکہ یہ شہر صوبہ بنگال میں ہندوستان کے ایک کنارے پر تھا اور حکومت کے افسروں کو ملک کے انتظام میں دشواری ہوتی تھی، اس لیے آگے چل کر کلکتہ کی جگہ دلی کو دارالحکومت بنایا گیا اور اس تبدیلی کی وجہ سے مولانا کو بھی یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے اخبار کا دفتر کلکتہ سے دلی لے جائیں۔ اس کے علاوہ کلکتہ سے دلی آنے کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ مولانا عام پڑھے لکھے ہندوستانیوں کے لیے اردو زبان میں بھی ایک اخبار نکالنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے "ہمدرد" کے نام سے ایک اردو اخبار جاری کیا اور یہ اخبار بھی پوری آن بان اور ٹھاٹ باٹ سے نکلا۔

اخبارات ہمارے موجودہ زمانے میں بھی نکلتے ہیں، بلکہ ان کی گنتی کہیں زیادہ ہے اور خرچ اخراجات اور خوشنمائی کے لحاظ سے بھی پہلے اخبارات سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ہماری قوم اور ہمارے وطن کو جو فائدہ مولانا محمد علی جوہر کے ان دونوں اخباروں سے پہنچا۔ اس کا ان اخباروں کے ساتھ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اخبار نکالنے کا جو صحیح مقصد ہے مولانا نے ہمیشہ اسے پیش نظر رکھا اور ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں اخباروں کو یورپ کے اعلیٰ درجے کے اخبارات کے برابر پہنچا دیا۔ ہر معاملے میں سچائی، بہادری اور دانشمندی سے قوم کی راہنمائی کرنا اور حکومت کو اس کے غلط کاموں پر ٹوکنا ان اخبارات کا طرۂ امتیاز تھا۔ اگرچہ مولانا کو اس حق پرستی اور وطن دوستی کی سزا بھگتنی پڑی۔ انگریز حکومت نے انہیں قید کر دیا اور طرح طرح سے پریشان کیا اور بالآخر دونوں اخبار بند ہو گئے، لیکن وہ یہ قربانیاں دے کر اخبار نویسی کا ایسا معیار مقرر کر گئے اور آنے والے اخبار نویسوں کے لیے ایسا راستہ بنا گئے کہ اگر اس پیشے میں آنے والے لوگ ان کے قدموں کے نشانوں پر چلیں تو ہماری قوم دنیا کی سب سے معزز قوم بن سکتی ہے۔

مسجد کانپور کا جھگڑا:

اگرچہ انگریزی حکومت اور اس کے وفادار افسر شروع ہی سے مولانا کو ناپسند کرتے تھے اور ان کی ذات اور ان کے اخبارات کو اپنے لیے خطرناک سمجھتے تھے، لیکن ابھی تک کھلم کھلا ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تھی۔ یہ موقع ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوا جب ہندوستان کے مشہور شہر کانپور میں حکومت نے ایک سڑک کو سیدھا کرنے کے لیے ایک مسجد کا کچھ حصہ گرانا چاہا۔ مسجد کے سلسلے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اُسے گرایا نہیں جا سکتا۔ جب مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے حکومت کے اس فیصلے کے خلاف شور مچایا۔ کافی دنوں تک مقدمہ چلتا رہا، لیکن حکومت اپنی ضد سے باز نہ آئی۔ مسجد کے اس حصّے کو گرا دیا گیا اور ان مسلمانوں پر اندھا دھند گولیاں چلائی گئیں جو اپنا دلی رنج ظاہر کرنے کے لیے اس مسجد کے پاس جمع ہو گئے تھے۔

مولانا محمد علی جوہر نے اس واقعے پر اپنے اخبار میں زوردار مضامین لکھے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت کے اس فعل کو صاف لفظوں میں ظلم اور بے انصافی بتایا۔ اس پر حکومت نے انہیں پہلے دلی کے قریب ایک بستی مہرولی میں نظر بند اور پھر چھندواڑہ جیل میں قید کر دیا۔

یہ زمانہ مولانا اور آپ کے خاندان کے لیے سخت مصیبت کا تھا، لیکن آپ نے نہایت صبر اور ہمت سے ہر مصیبت کا مقابلہ کیا۔

تحریکِ خلافت:

۱۹۱۴ء کے بعد کا زمانہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے انتہائی نازک اور خطرات سے بھرا ہوا تھا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ پہلی جنگِ عظیم میں جو ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی حکومت ترکی انگریزوں کی مخالف طاقت جرمنی کی ساتھی تھی۔ اس زمانے میں ترکی مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت مانی جاتی تھی اور اس کے بادشاہ کو خلیفہ کہا جاتا تھا۔

اسلام نے بادشاہت کا قصہ ختم کر کے خلافت کا نظام قائم کیا تھا اور یہ حکمرانی کے تمام طریقوں سے بہتر اور مفید تھا۔ صدرِ اوّل میں خلیفہ اس شخص کو بنایا جاتا تھا جو ہر لحاظ سے قابل اور نیک ہوتا تھا۔ بادشاہت کی طرح یہ طریقہ نہ تھا کہ ایک خلیفہ کے فوت ہونے کے بعد اس کے بیٹے کو اس کی جگہ خلیفہ بنایا جائے، بلکہ عقل مند لوگ آپس کے صلاح مشورے سے اس شخص کو خلیفہ منتخب کرتے تھے جو اس عہدے کا سب سے زیادہ اہل ہوتا تھا۔ آج کل کی سیاسی زبان میں حکومت کے اس طریقے کو جمہوری نظامِ حکومت کہتے ہیں اور اس فرق کے ساتھ کہ قانون ساز اداروں کے ارکان عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں اور ان کے کردار کے بارے میں چھان بین نہیں کی جاتی۔ دنیا کے تمام مہذب ملکوں میں اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرز کی حکومتیں قائم ہیں اور اس وجہ سے اسے مغربی جمہوریت کہا جاتا ہے۔

اسلامی سلطنت وسیع ہو جانے کے بعد جب عام مسلمان دُنیا کی طرف جُھک گئے اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حکموں پر چلنا چھوڑ دیا تو حکومت کے اس اچھے انتظام میں بھی خرابیاں آگئیں۔ بادشاہت کی طرح خلافت بھی حکمران خاندانوں تک محدود ہو کر رہ گئی اور حکومت حاصل کرنے کے لیے خوفناک جنگیں ہوئیں۔

پہلے چار خلفاء حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے بعد خاندان بنی امیہ کے حکمرانوں نے خلافت کو تقریباً بادشاہت کا رنگ دے دیا اور پھر یہ نظام آخیر تک ایسا ہی رہا۔ جب ایک خلیفہ کا انتقال ہوتا تھا تو اس کا بیٹا اس کی جگہ حکومت کے اختیارات سنبھال لیتا تھا۔

جس زمانے کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں اس میں خلافت کا اعزاز ترکوں کے عثمانی خاندان میں آگیا تھا۔ اگرچہ یہ حکمران بالکل بادشاہوں کی سی زندگی گزارتے تھے، لیکن پھر بھی اُمّتِ مُسلمہ کو ایک یہ فائدہ ابھی تک حاصل تھا کہ مختلف مُلکوں کے مسلمان بادشاہ خلیفہ کو اپنا بڑا مانتے تھے اور بادشاہ کی جگہ خلیفہ کہلانے کی وجہ سے سچّی اسلامی حکومت کا تصوّر باقی تھا۔

پہلی جنگِ عظیم میں ہار جانے کی وجہ سے عثمانی سلطنت کے بہت سے علاقے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے قبضے میں چلے گئے اور یہ ترکی جو دُنیا کی بہت بڑی سلطنت تھی تیسرے درجے کی چھوٹی سی کمزور ریاست بن کر رہ گئی۔ ترکوں کی نوجوان نسل نے، جن کی رہنمائی غازی مصطفےٰ کمال پاشا کر رہے تھے، یہ خیال کیا کہ ہماری قوم پر یہ مصیبت اس وجہ سے آئی ہے کہ ہمارے بادشاہ کو خلیفہ کہا جاتا ہے اور ساری دُنیا کے مسلمانوں کا رہنما مانا جاتا ہے، چنانچہ انہوں نے خلافت کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ختم کر کے یورپین ملکوں کے نمونے پر نئی حکومت قائم کرنے کے لیے جدوجہد شروع کردی۔

مسلمانوں کی اصل مجبوری :

عثمانی ترکوں کی خلافت کا یہ انجام ایک طرح فطری تھا، یہ اپنے احوال میں بادشاہت سے بھی ناقص بن چکی تھی۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ خود ترکوں نے اس کا خاتمہ کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہندی مسلمانوں نے اسے بچانے کے لیے کیوں جدوجہد کی۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ برِصغیر ہند پر قابض ہو جانے والے انگریزوں سے مسلمانوں کے تنفر کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ سات سمندر عبور کر کے آنے والی اس قوم نے خاص انہیں بے اقتدار کیا تھا۔ ان کی حکومت کمزوریوں کا پلندہ سہی، لیکن بہرحال حکومت تھی۔ وہ اس ملک میں ایک مقتدر اور حکمران قوم کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے اور انگریزوں نے اُن سے ان کی یہ عظمت چھین لی تھی۔

اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان میں قابض ہونے کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ہندوؤں کو مضبوط کرنے کی روش اختیار کرلی تھی۔ مسلمانوں کے پسماندہ ہوتے چلے جانے کی صورت میں ان کی اس پالیسی کے اثرات ظاہر ہونے لگے تو مسلمانوں نے بہت گھبراہٹ محسوس کی اور انگریزوں کو اپنے مصائب کا ذمہ دار سمجھا جیسا کہ وہ تھے۔

تیسری وجہ انگریزوں کو اپنے لیے ایک عذاب خیال کرنے کی مسلمانوں کے نزدیک یہ تھی کہ اس قوم نے عالمی سطح پر مسلمان دشمن پالیسی اپنا رکھی تھی۔ صنعتی انقلاب کے بعد مادی علوم کی ترویج کے باعث اگرچہ انگریز اور دوسری یورپی اقوام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینی حس سے محروم ہو رہی تھیں، لیکن ان میں معرکہ ہائے صلیب و ہلال کے زمانے کا عناد باقی تھا۔ لارڈ کچنر نے اس کا اظہار برملا کیا تھا۔ دوسری عالمگیر جنگ میں فتوحات حاصل کر کے اس نے کہا تھا ہم نے صلیبی جنگوں میں ہزیمت اٹھانے کا اب بدلہ لے لیا ہے۔

یہ بات تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہے۔ جنگِ عظیم اوّل کے آغاز سے بہت پہلے یورپ کے عیسائی مسلمانوں کی بہت سی سلطنتوں کو پامال کر چکے تھے، جن میں ہندوستان کی مغلیہ سلطنت شامل تھی اور اب وہ مسلمانوں کی آخری بڑی سلطنت ترکی کے خلاف متحرک ہو گئے تھے۔

۱۹۱۱ء میں اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا اور انگریزوں نے اس کی اسطرح کی پشت پناہی کی کہ جب ترک افواج اس کی سرکوبی کے لیے بڑھیں تو انہیں مصر سے گزرنے نہ دیا جو ان کے زیرِ انتداب تھا۔

۱۹۱۲ء میں بلقان کی ریاستوں نے متحد ہو کر ترکی پر حملہ کر دیا۔ ان جنگوں میں ترکوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ وجہ یہ کہ یہ صرف بلقانی ریاستوں اور ترکوں کی جنگ نہ تھی، بلکہ یورپ کے تمام عیسائی مسلمانوں کے خلاف پوری شدت سے مصروفِ پیکار تھے اور روس کے زار بھی اس غنڈہ گردی میں ان سے پیچھے نہ تھے۔
یہ بات تاریخ میں محفوظ ہے کہ ترکی اور ایران کے علاقوں پر تسلط جمانے کے لیے روس بھی برابر فوجی کاروائیاں کر رہا تھا۔ جس زمانے میں بلقان کی ریاستوں نے ترکی پر حملہ کیا (اکتوبر ۱۹۱۲ء) اسی زمانے میں روسی فوجوں نے مشہد امام رضا پر گولہ باری کی۔ ترکوں کے خلاف ہر سازش میں روس شامل تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی :

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان کے مسلمان اپنے مصائب کی وجہ سے پریشان تھے۔ ترکی پر حملے کی خبروں نے انہیں اور مضطرب کیا اور وہ بے سروسامانی کے باوجود اپنے ترک بھائیوں کی امداد پر آمادہ ہوئے۔ مسلمان علی گڑھ میں اکٹھے ہوئے اور علماء کی طرف سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ برطانوی مال نہ خریدا جائے۔ یاد رہے یہ کانگرس کی تحریک ترکِ موالات شروع ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

مسلمانوں نے ہلالِ احمر ترکی کے لیے چندہ جمع کیا۔

مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی کی کوششوں سے خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔

زخمی ترک سپاہیوں کی امداد کے لیے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں طبی وفد ترکی بھیجا گیا۔

ان سب کوششوں میں جو مسلمان اپنے ترک بھائیوں کی امداد کے سلسلے میں کر رہے تھے، سب سے زیادہ مؤثر کوشش خلافت کمیٹی کا قیام تھا۔ سب سے پہلے ۱۹۱۳ء میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی قیادت میں انجمن خدام کعبہ کے نام سے ایک تنظیم قائم ہوئی۔ پھر اسی سن میں بمبئی کے کچھ مسلمان تاجروں نے مجلسِ خلافت بنائی اور آگے چل کر یہ ایک ملک گیر تحریک بن گئی۔

اس مضمون کی تنگ دامانی کے باعث خلافت کے عثمانی ترکوں میں منتقل ہونے اور خلافت کمیٹی کے قیام کے زمانے میں اس کی حالتِ زار کی مفصّل کیفیت بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہاں مختصر طور پر یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ یورپ کی عیسائی اقوام کے تعصب، عثمانی خلفاء کی بے اعتدالیوں اور ترکوں کی نوجوان نسل کے علوم جدیدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے آشنا ہو جانے کے باعث اس خلافت کا اعتبار اٹھتا جا رہا تھا جو دراصل موروثی بادشاہت ہی کی ایک شکل رہ گئی تھی، بلکہ شاہی خاندان میں بتدریج پیدا ہونے والی کمزوریوں کے باعث اس میں وہ طاقت اور طنطنہ نہ رہا تھا جو بادشاہوں کی پہچان سمجھا جاتا ہے، چنانچہ اسی وجہ سے یورپ کے عیسائیوں کو یہ جرأت ہوئی تھی کہ انہوں نے اس ترک سلطنت کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جو کچھ ہی عرصہ پہلے دنیا کی سب سے وسیع اور سب سے زیادہ طاقتور سلطنت تھی۔

عثمانی ترکوں کے زوال کو ایک تاریخی عمل قرار دیا جائے یا کچھ اور، لیکن وہ بہرحال زوال تھا، لیکن یہاں ہندوستان کے مسلمانوں کو صرف اس قدر آگاہی تھی کہ ترک ان کے مسلمان بھائی ہیں اور خلافت ان کی عظمت کی ایسی علامت ہے جسے ہر قیمت پر باقی رکھنا چاہیے، چنانچہ وہ اس کی حفاظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

یہاں کچھ اور تفصیلات کو نظر انداز کر کے تحریکِ خلافت کے بارے میں صرف یہ عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ اس اندوہناک انجام سے دوچار ہوئی کہ خود ترکوں نے خلافت کو اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیا، لیکن جہاں تک اس تحریک کے اثرات اور اس کے ایک کامیاب تحریک ہونے کا تعلق ہے برصغیر کی تاریخ میں اسے بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ یہ تحریک اگرچہ غیر ملکی مسلمان ترکوں کی حمایت میں شروع کی گئی تھی، لیکن اسے یہ حیرت ناک کامیابی حاصل ہوئی کہ گاندھی جی جیسے پکے سچے لیڈر نے اس کی عملی حمایت کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے ایک ملک گیر تحریک کا درجہ حاصل ہو گیا۔

دوسری بات یہ کہ اس تحریک کی حرارت پا کر ہی شکستہ دل ہندی مسلمانوں نے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کا حوصلہ پایا۔ اگرچہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آ چکا تھا، لیکن عملی سیاسی زندگی میں لیگ محض ان مسلمانوں کی جماعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی جو مسلمانوں کے طبقۂ خواص سے تعلّق رکھتے تھے اور آئینی حدود میں رہ کر اپنے حقوق کے لیے کوشش کرنے کے قائل تھے۔ یہ تحریکِ خلافت تھی جس نے عام مسلمانوں میں بیداری پیدا کی اور انہیں سڑکوں پر آکر حکومت کے خلاف نعرے لگانے کے قابل بنایا اور ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلافت کے ختم ہو جانے کے باوجود تحریکِ خلافت ناکام نہیں ہوئی۔

تحریکِ خلافت ختم ہو گئی تو مولانا محمد علی جوہر نے آزادی کی تحریک میں شمولیت اختیار کی اور افتادِ طبع کے مطابق اپنی ساری اہلیتیں اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے وقف کر دیں۔ یہ بات مبالغے سے خالی ہے کہ وطنِ عزیز کو آزاد کرانے کے لیے جس قدر تکالیف مولانا محمد علی جوہر نے برداشت کیں اور جس قدر قربانیاں انہوں نے دیں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

مقدمۂ سازش کراچی :

انگریزی حکومت اب مولانا کو اپنا خطرناک دشمن سمجھنے لگی تھی، چنانچہ اسی خیال کی بناء پر آپ پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ اس مقدمے کی سماعت کراچی میں ہوئی اور اس وجہ سے ہماری تاریخ میں اسے مقدمۂ سازش کراچی لکھا جاتا ہے۔ حکومت نے مولانا پر الزام لگایا کہ انہوں نے ہندوستانیوں کو انگریزی فوج میں بھرتی ہونے سے روکا ہے اور افغانستان کے بادشاہ کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا ہے کہ اگر وہ ہندوستان پر حملہ کر دے تو اسے ہر طرح کی امداد دی جائے گی۔ مولانا کے ساتھ ان کے بھائی مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا نثار احمد کانپوری اور ایک ہندو لیڈر شنکر اچاریہ کو بھی گرفتار کیا گیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ الزام نہایت خطرناک تھے اور انگریزی قانون کی رُو سے اس کی سزا پھانسی تھی، لیکن اللہ پاک نے ان بے گناہوں پر یہ کرم کیا کہ مقدمے کے دوران وہ خط جعلی ثابت ہو گیا جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ مولانا محمد علی جوہرؔ کا لکھا ہوا ہے خاص ایک انگریز افسر نے اس بات کی گواہی دی کہ یہ اندازِ تحریر مولانا محمد علی جوہر کا نہیں ہے۔ یُوں ان لوگوں کی جان بچ گئی۔

اسلام کا سرفروش سپاہی :

جیسا کہ لکھا گیا تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد مولانا کانگرس میں شریک ہو گئے تھے اور تن من دھن سے اپنے پیارے وطن کی آزادی کے لیے کوشش کرنے لگے تھے، لیکن اس جماعت میں وہ زیادہ دیر تک نہ رہ سکے۔ انہیں بہت جلد یہ اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کو اپنا ہم وطن اور بھائی سمجھنے والے کھرے اور سچے ہندوؤں کی جگہ آہستہ آہستہ اس جماعت میں ایسے لوگ آ گئے ہیں جو مسلمانوں کو بھی انگریزوں کی طرح غیر مُلکی اور اپنا دشمن خیال کرتے ہیں اور اس کوشش میں مصروف ہیں کہ جب ہندوستان کو آزادی ملے تو اس ملک پر ہندوؤں کی مذہبی حکومت قائم ہو جائے۔ اسی احساس کی بنا پر مولانا کانگرس سے الگ ہو گئے، لیکن انہوں نے مُلک کی آزادی کی تحریک سے علیحدگی اختیار نہ کی۔ اگرچہ ان کی زندگی کا یہ دور بڑا ہی نازک تھا۔ ان کی مالی حالت بھی کمزور ہو گئی تھی اور بیماریوں نے بھی گھیر لیا تھا، لیکن اس حالت میں بھی اپنے وطن کو آزاد کرانے کا جذبہ پُوری طرح جوان تھا، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہو گا کہ چالیس کروڑ ہندوستانیوں میں ان سے بڑھ کر محبِّ وطن اور حرّیت پسند کوئی نہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُلک کی آزادی یا قبر کے لیے زمین :

۱۹۳۰ء میں مولانا ہندوستان کے دوسرے لیڈروں کے ساتھ گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے لندن تشریف لے گئے ۔ یہ کانفرنس ہندوستان کو آزادی دینے کی شرطیں طے کرنے کے لیے بلائی گئی تھی ۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں انگریزی حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہندوستانی جنگ جیتنے میں مدد دیں تو اُن کے مُلک کو آزادی دے دی جائے گی ، لیکن جنگ فتح ہونے کے بعد انگریز حکمران ٹال مٹول کر رہے تھے اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس مُلک پر اپنا قبضہ برقرار رکھنا چاہتے تھے ۔ کانفرنس کی تمام کارروائی سُننے کے بعد جب مولانا نے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ یہ کانفرنس محض لوگوں کے جذبات ٹھنڈے کرنے اور دوسرے مُلکوں کو دھوکہ دینے کے لیے بلائی گئی ہے اور اس بات چیت کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلے گا تو آپ نے آزادی کی جنگ کے ایک بہادر جرنیل کی حیثیت سے وہ شاندار تقریر کی جو اس مُلک کی تاریخِ آزادی میں ہمیشہ یادگار رہے گی ۔ آپ نے فرمایا : " یا تو تمہیں میرے مُلک کو آزادی دینی ہوگی ورنہ میرے لیے قبر کی زمین ، کیونکہ میں ایک غلام مُلک میں واپس جانے کے لیے تیار نہیں ہوں ۔ "

مولانا مرحوم کے یہ الفاظ الہامی ثابت ہوئے ، جس دن آپ نے یہ تقریر کی تھی اسی رات آپ کا انتقال ہو گیا اور آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق فلسطین کے شہر بیت المقدس میں دفن کیا گیا ۔

اعلیٰ کردار اور اسلام سے سچی محبت کے باعث آپ کو اسی سرزمین میں دفن کیے جانے کا اعزاز اور افتخار ملا جس میں ان گنت نبیوں کے مزار ہیں ۔ اس ایک بات سے بھی آپ کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواجہ حسن نظامیؒ

نواب بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور کی طرح خواجہ حسن نظامی بھی پاکستان حاصل کرنے کی جنگ لڑنے والے ان مجاہدوں میں ہیں جنہیں اس مُلک کا شہری بننے کی مہلت نصیب نہ ہوئی ۔ ان کے آباؤ اجداد بھارت میں ہیں، لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خواجہ صاحب کے دل میں پاکستان حاصل کرنے کا ارمان بڑے سے بڑے پاکستانی سے کم نہ تھا ۔ جس زمانے میں یہ جنگ لڑی جارہی تھی انہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں اس تحریک کو کامیاب کرنے کے لیے وقف کر دی تھیں ۔

اس خوبی کے علاوہ خواجہ صاحب کی ذات اپنی ان گنت خوبیوں کے لحاظ سے بھی مُسلم نوجوانوں کے لیے دوستی کا جذبہ رکھتے تھے ۔ وہ دردِ دل رکھنے والے باعمل مسلمان اور اُردو زبان کے مشہور اور مقبول ادیب تھے ۔ انہوں نے بہت سے مضمون لکھے اور سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں جو آج کل بھی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور جن کے بارے میں یہ اندازہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ آئندہ بھی اسی طرح مقبول رہیں گی ۔ بہت سی قیمتی کتابیں لکھ کر اُردو زبان کو مالا مال کرنے کے علاوہ خواجہ صاحب مرحوم نے اس زبان کو ایک خاص اسلوبِ نگارش بھی دیا ۔ یہ اسٹائل یا اسلوب بے حد خوبصورت اور دل نشین ہے ۔ بالکل آسان اور سادہ الفاظ کو کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی مہارت اور خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں کہ ان کی تحریر پہتے موتیوں کی لڑی اور تازہ پھولوں کے ہار کی طرح خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ اس حُسن کے علاوہ بہت بڑی اچھائی یہ ہے کہ پڑھنے والا ان کی باتیں آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ نہ صرف سمجھ لیتا ہے بلکہ یہ باتیں اس کے دل میں اُترتی جاتی ہیں۔

الفاظ کا سلیقے اور قابلیت سے استعمال کرنے کے علاوہ ان کی ایک اور خوبی جدت طرازی اور مضمون آفرینی ہے۔ وہ نئے نئے پہلو تراشتے ہیں۔ اور ایک عام بات کو بھی ایسے انوکھے انداز میں لکھتے ہیں کہ پڑھنے والا دل و دماغ میں گدگدی سی محسوس کرتا ہے اور اس بات کو ایک نرالی بات جان کر یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مضمون آفرینی کا سادہ مطلب بات میں سے بات پیدا کرنا اور نئے نئے مطالب اور معانی تلاش کرنا ہے۔ خواجہ صاحب کی تحریروں میں یہ خوبی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ انہوں نے عام طور سے ان چیزوں کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے۔ جن پر کوئی اور ادیب کبھی توجہ نہ دے اور پھر ایسے ایسے لطیف نکتے پیدا کیے ہیں اور ایسے ایسے مفید مطالب نکالے ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ وہ مکھی اور مچھر، جھینگر اور اُلّو وغیرہ یا کسی بھی حقیر سی چیز کو مخاطب کر کے مضمون لکھنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر زندگی میں کام آنے والے نہایت قیمتی گُر بتاتے ہیں۔

زبان اور بیان کی ان اچھائیوں اور عظمتوں کے علاوہ خواجہ صاحب مرحوم کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا۔ وہ ادب اور انشار کی وادیوں میں یونہی نہیں بھٹکتے رہے، بلکہ اس پُر بہار وادی میں آکر ان پھولوں سے اپنی جھولی بھری جن کی رنگت اور خوشبو انہیں دل سے پسند تھی۔

اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی دو خاص باتیں ہمیشہ ان کے ذہن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں رہیں۔ انہیں حضرت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک ذات سے سچی عقیدت تھی اور وہ مذہب اسلام کو دُنیا کے تمام انسانوں کے لیے نجات اور دنیاوی کامیابیوں کا ذریعہ جانتے تھے اس لیے تمام زندگی اس مذہب کی عظمت منوانے اور اس مذہب پر ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی خوشحالی اور عزت بڑھانے کے کام میں مصروف رہے۔ خود خواجہ صاحب نے اپنے قلم سے یہ بات لکھی ہے کہ اسلام کی خدمت کرنا ہی میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اپنے بچپن کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میری عمر دس سال کی تھی۔ رات کو خواب دیکھا کہ ایک پہاڑ پر ہوں۔ صبح صادق کا وقت ہے اور کچھ لوگ حلقہ بنائے ہوئے اس پہاڑ پر کھڑے ہیں، جن کے وسط میں ایک صاحب ہیں جن کو کہتے ہیں کہ یہ حضرت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں۔ مَیں آدمیوں کے حلقے کو چیر کر اندر گھس گیا اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چہرے کو دیکھنے لگا کہ اس وقت تک سُورج نہیں نکلا، مگر حضورؐ کے چہرے پر دُھوپ آ رہی ہے۔ مَیں اس کو نہ دیکھ سکا اور بیتاب ہو گیا کہ حضورؐ کے چہرے پر دھوپ کیوں ہے۔ مَیں نے اپنے دونوں ہاتھ ملا لیے اور اچک اچک کر حضورؐ کے چہرے کی دھوپ روکنے لگا۔ چونکہ میرا قد چھوٹا تھا اس لیے ہاتھ چہرے تک نہ جا سکتے تھے، لیکن بار بار اچکنے سے میرا قد اونچا ہو گیا اور مَیں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے حضورؐ کے چہرے کی دھوپ روک لی۔ جب دھوپ رُک گئی تو مَیں بہت خوش ہوا۔ اور حضورؐ نے تبسم فرما کر مجھ کو دیکھا جس سے مَیں نے محسوس کیا کہ حضورؐ میری اس خدمت سے خوش ہوئے۔ صبح کو مَیں نے یہ خواب اپنے استاد حضرت محمدؐ اسمٰعیل مرحوم سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا تمہارے ہاتھوں سے دینِ اسلام کا کوئی رخنہ دُرست ہوگا اور وہ ایسا رخنہ ہوگا جس سے حضور سرورِ کائناتؐ کی رُوحِ اطہر کو تکلیف ہو رہی ہو گی۔" (آپ بیتی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے ادب اور اپنی زندگی کا مقصد یوں بیان کرتے ہیں " ان امتحانات و مشکلات کے بعد اللہ تعالیٰ نے حسن نظامی کے قلب کو ہدایت کی۔ اور اس نے اپنی زندگی کا ایک خاص مقصد قرار دے لیا۔ اور وہ یہ تھا کہ اسلامی تصوّف نئے انداز اور جدید طرز میں لکھا جائے، کہا جائے، برتا جائے۔ چنانچہ اس مقصود کو پیشِ نظر رکھنے کے تحت اس نے اپنا عمل شروع کیا۔" (آپ بیتی)

اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک ذات سے عقیدت کا ایک اور بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے مضمونوں میں جہاں کہیں یہ ذکر آتا ہے ان کی عبارت میں غیر معمولی طور پر خوبصورتی اور نکھار آجاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے پیاسے پھول کو پانی میسر آگیا ہے اور اس کی پتیاں تازہ ہو رہی ہیں۔

ادبی زندگی کا آغاز:

خواجہ صاحب نے لکھا ہے علمی ادبی کام کرنے کا خیال سب سے پہلے مجھے اپنے والد صاحب کی باتیں سُن کر ہوا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ ہماری بستی کے رہنے والے ایک ہندو لالہ چرنجی لال نے چھاپہ خانہ قائم کیا اور کتاب سیر الاولیاء چھاپی۔ جب یہ بات میرے والد صاحب کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فرمایا " دیکھو یہ کتاب شائع کرنا ہمارا فرض تھا، لیکن چونکہ ہمارے خاندان میں علم کا چرچا کم ہو گیا ہے، اس لیے یہ فرض ایک ہندو نے انجام دیا ہے۔ اس وقت میری عمر صرف گیارہ سال تھی۔ میں نے اسی دن دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ بڑا ہو کر چھاپہ خانہ جاری کروں گا اور ایسا کام کروں گا جس سے میرے ابا کا افسوس دُور ہو جائے۔" اس واقعے کے علاوہ خواجہ صاحب نے اپنے ادبی ذوق کے سلسلے میں ایک اور صاحب کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ یہ صاحب منشی غلام نظام الدین عرف خاکسار عالم تاجر کتب ہیں۔ نسلاً یہ بھی ہندو تھے، لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواجہ نظام الدین اولیاء سے عقیدت کے باعث بچپن ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی دکان دلی کے بازار دریبہ کلاں میں تھی۔ اور خواجہ صاحب کے حال پر یہ بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ خواجہ صاحب نے انہیں اپنا سب سے بڑا محسن اور ہمدرد مانا ہے اور لکھا ہے جب میرے بڑے بھائی نے جو والد کی وفات کے بعد میرے سرپرست بنے مجھے مضمون لکھنے سے منع کیا، تو منشی غلام نظام الدین صاحب نے ہی میرا حوصلہ بڑھایا اور یہ مشغلہ جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔

مضمون نویسی کی ابتدا کے بارے میں لکھتے ہیں :

"جب میری عمر ۱۶ سال تھی ایک صاحب مولوی برکت اللہ پوسٹ ماسٹر نے اخبار "ہمدرد" مراد آباد کی ایک کاپی پڑھنے کے لیے دی اور اس کے مضامین پڑھ کر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں بھی مضمون لکھوں۔ چنانچہ انڈیا کی نازک حالت کے عنوان سے مضمون لکھا جو انڈیا گزٹ بمبئی میں چھپ گیا۔ اس کامیابی سے میرا حوصلہ بڑھا اور بہت جلد میرے لکھے ہوئے مضمون "پیسہ اخبار" لاہور اور "وکیل" امرتسر میں چھپنے لگے۔

کتابیں لکھنے کا شغل خاکسار صاحب کے مشورے سے شروع کیا۔ سب سے پہلے ایک ناول لکھا جو شائع نہ ہو سکا۔ اس کے بعد مولانا جلال الدین سیوطی کے ایک عربی رسالے کا اُردو میں ترجمہ کیا جو مفلسی کے مجرب علاج کے نام سے شائع ہوا اور بہت جلد فروخت ہو گیا۔ اس کامیابی سے حوصلہ بڑھا اور پھر یہ سلسلہ ساری زندگی جاری رہا۔

میدانِ صحافت میں :

اگرچہ خواجہ صاحب نے صحافت کو پیشے کے طور پر نہیں اپنایا، لیکن کئی ماہنامے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزنامے اور ہفتہ وار اخبار جاری کیے اور انہیں نہایت کامیابی سے چلایا۔ خاص طور سے ہفتہ وار "منادی" تو ان کے حلقے میں بہت مقبول تھا۔ ملک کے ادبی اور علمی حلقوں میں بھی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ منادی کے علاوہ خواجہ صاحب نے جو پرچے جاری کیے ان کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ نظام المشائخ ۲۔ درویش ۳۔ ینگ مسلم ۴۔ اصلاح نسواں ۵۔ اسکول گزٹ، نظام گزٹ، توحید اور ڈکٹیٹر۔ آخری اخبار انگریزی میں جاری کیا گیا تھا۔ یہ تمام اخبار اور رسالے مذہبی اور قومی ضرورت کے مطابق نکالے گئے تھے اور انہوں نے اپنے اپنے زمانے میں یہ خدمت بخوبی انجام دی تھی۔ صحافی خدمات اگرچہ انہوں نے بڑے دھڑلے سے انجام دیں، لیکن ان کا اصل میدان تصنیف اور تالیف تھا اور ایک اندازے کے مطابق انہوں نے سات سو کے قریب کتابیں اور رسالے تصنیف کیے۔ ان میں سے بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو ایک بار چھپیں اور پھر اشاعت کی نوبت نہیں آئی، لیکن زیادہ ایسی ہیں جو سات سات، آٹھ آٹھ بار چھپ چکی ہیں اور انہیں اونچے درجے کے ادب میں شامل کیا جاتا ہے۔ سی پارۂ دل، سفرنامہ مصر و شام و حجاز، غدر دہلی کے افسانے، بیگمات کے آنسو، طمانچہ بہ رخسار یزید، محرم نامہ، یزید نامہ، میلاد نامہ، بیوی کی تعلیم، کرشن بیتی، چٹکیاں، گدگدیاں اور کم ٹو موت وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جن کی مقبولیت کی شہادت خود مصنف نے دی۔

کامیابی کا راز :

اپنی اس غیر معمولی کامیابی کے بارے میں لکھتے ہیں : "میری کامیابی کا راز میری انتھک محنت اور ہر کام کو خاص اپنے انداز میں کرنے کی عادت ہے، مجھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کی نقالی پسند نہیں۔"

اس سلسلے میں خواجہ صاحب کے مُریدِ خاص اور دوست مُلا واحدی صاحب نے بھی شہادت دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کسی کی تقلید کرنے کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کے ہر کام میں نیاپن اور چمک نظر آتی ہے۔ ان کی محنت اور کام کرنے کی لگن کا یہ حال تھا کہ رات کے دو بجے بیدار ہوتے تھے اور دوسری رات کے گیارہ بجے تک مصروف رہتے تھے، لکھنے پڑھنے کا کام، خطوں کے جواب، مہمانوں سے ملاقات اور اپنے مریدوں کی خبر گیری وغیرہ کتنے ہی کام ان کے ذمے تھے۔ اندوہ ان سب کو نہایت سلیقے اور باقاعدگی سے انجام دیتے تھے۔ حد یہ ہے کہ صبح کا ناشتہ بھی عام طور پر اپنے ہاتھ سے تیار کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا کام وہ عموماً رات کے پچھلے پہر اور صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرتے تھے۔ بظاہر یہ بات بہت مشکل معلوم ہوتی ہے کہ کوئی شخص اتنے بہت سے کام انجام دے اور وہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہوں ———— لیکن جب کوئی شخص ہر کام کو وقت پر کرنے کی عادت کو اپنا لے اور اپنی زندگی میں باقاعدگی پیدا کر لے تو یہ بات مشکل نہیں رہتی۔ خواجہ صاحب کی زندگی میں باقاعدگی تھی اسی لیے انہوں نے ایسی شاندار کامیابی حاصل کی۔

شخصیت:

خواجہ صاحب ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے جس قدر کامیابی حاصل کی اور جتنا نام پیدا کیا، اپنی خداداد قابلیت اور محنت کے بل بوتے پر پیدا کیا۔ ان کا خاندان نسب کے لحاظ سے تو بہت معزز تھا۔ سیّد ہونے کے علاوہ انہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک یہ عزت بھی حاصل تھی کہ وہ حضرت بابا فرید گنج شکر اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے سجادہ نشین تھے، لیکن مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ ان کے والد صاحب جلدیں باندھنے کا کام کرتے تھے۔ خود انہوں نے زندگی کی ابتداء اس طرح کی کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے بڑے دروازے پر بیٹھے رہتے تھے اور زیارت کے لیے آنے والے لوگوں کی جوتیوں کی رکھوالی کیا کرتے تھے۔ اور بڑے ہوئے تو کتابوں اور دلی کی تاریخی عمارتوں کی تصویروں کی وزنی گٹھڑی سر پر رکھے گلی گلی گھومنا پڑا۔ ایسے خراب حالات میں عام طور پر دل بجھ کر رہ جاتا ہے اور ذہن میں پستی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن خواجہ صاحب نے ایسے خیالات کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ ان کے دل میں ترقی کرنے اور اپنے حالات سنوارنے کی امنگ باقی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی بہتری کے لیے بھی کوشش کرتے رہے۔

اس موقعے پر یہ بات بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور پریشانیوں کے زمانے میں صرف اس شخص کے قدم مضبوط رہتے ہیں جو اپنی زندگی کا کوئی مقصد تصوّر کر لیتا ہے، خواجہ صاحب بھی مشکلات کے بھنور سے نکلنے میں اس لیے کامیاب ہوئے کہ ہمت اور حوصلے کو برقرار رکھنے کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بھی مقرر کر لیا تھا۔ وہ مقصد تھا اسلام اور مسلمانوں کی خدمت۔ اس کا آغاز انہوں نے صوفیوں کے فرقے کی اصلاح سے کیا۔

اس زمانے میں اس فرقے کے لوگوں کی عام حالت یہ تھی کہ وہ محنت مزدوری کرنے اور اپنی قابلیت سے روزی کمانے کو عیب سمجھتے تھے۔ ان کا زیادہ تر گذارہ نذر و نیاز اور مزارات کے چڑھاوے پر تھا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کے طریقوں کو بھی چھوڑ بیٹھے تھے۔ وہ بزرگوں کا سا لباس تو ضرور پہنتے تھے، لیکن ان میں بزرگوں کی خوبیاں نہ تھیں اور اسی لیے لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت کم ہو گئی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواجہ صاحب نے اس مقصد کے لیے اپنے کچھ مریدوں اور دوستوں کو اکٹھا کرکے ایک اصلاحی انجمن بنائی جس کا نام "حلقۂ نظام المشائخ" تھا۔ اس سلسلے میں جن لوگوں نے خواجہ صاحب کی خاص طور پر مدد کی اور اخیر تک ان کے ساتھ رہے، ان میں مُلّا واحدی اور میرٹھ کے ایک رئیس بھیا احسان الٰہی کا نام سب سے اوپر ہے۔

اپنے ممنون اور دوستوں میں خواجہ صاحب نے چند انگریز افسروں کے نام بھی لکھے ہیں۔ اس بات سے بعض لوگ تو یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ انگریزی حکومت کے خیر خواہ تھے اور اس کی مضبوطی کے لیے کام کرتے تھے، لیکن یہ بات درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں سے بھی ان کا میل جول اور دوستی اسی جذبے کی وجہ سے تھی جس جذبے کی وجہ سے ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں وغیرہ دوسری قوموں کے شریف لوگوں کو اپناتے تھے اور انہیں اپنا دوست کہتے تھے۔

خواجہ صاحب کی ایک قابلِ ذکر کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے قابلِ رشک طور پر اپنی مالی حالت سنواری۔ وہ صرف ادیب یا صرف پیر ہی نہ تھے بلکہ ایک کامیاب تاجر بھی تھے۔ بہت بڑا کتب خانہ قائم کرنے کے علاوہ طبّی کمپنی کے نام سے دوائیں تیار کرنے کا ایک کارخانہ بھی جاری کر رکھا تھا۔ ان دو تجارتی اداروں کی آمدنی کے علاوہ ان کے امیر کبیر مرید اور عقیدت مند بھی نذرانہ پیش کرتے تھے راجستھان کی ریاستوں کے کئی راجہ اور نواب ان کے مرید تھے۔ ریاست حیدر آباد کے حکمران حضور نظام اور ان کے علاوہ آسٹریلیا اور کئی اور بیرونی ملکوں میں بھی اُن کے قدر دان اور مداح موجود تھے۔ مریدوں کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔ یہ کہنا تو یقیناً غلط ہوگا کہ ان کی ذات میں کوئی کمزوری تھی ہی نہیں، لیکن بحیثیت مجموعی وہ ایک اونچے درجے کے انسان تھے۔ امیر کبیر ہونے کے باوجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے دل میں غرور نام کو بھی نہ تھا۔ غریبوں کی بھی اسی طرح عزت کرتے تھے، جس طرح امیروں کی۔ ضرورت مندوں کے کام آتے تھے اور کمزوروں کو سہارا دیتے تھے۔ ان کی بستی میں کتنے ہی یتیم اور بیوہ عورتیں ایسی تھیں جن کے انہوں نے باقاعدہ وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ سادہ خوراک اور سادہ لباس استعمال کرتے تھے اور نرم لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔ اور یوں ان کی زندگی اخلاق کا اچھا نمونہ تھی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریکِ اسلامی کے معروف کارکن

شفیق الاسلام فاروقی

کی

بے حد دلچسپ، ایمان افروز اور زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق
جذبہ انگیز واقعات سے پُر

کارکنوں کی یادداشتیں

مرتبہ: محمد شکور (ایم۔ اے سیاسیات)

جن میں ۷۰۰ شخصیات، ۳۰۰ شہر و ممالک، ۲۰۰ جماعتوں اور انجمنوں
اور ۲۰۰ کتب، جرائد و رسائل کا ذکر ہے

بہ الفاظ دیگر ایک معلوماتی انسائیکلوپیڈیا ہے
جس کا مطالعہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق قاری کو معلومات مہیا کرتا ہے ان یادداشتوں کے بارے میں
جناب میاں **طفیل محمد** سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان کی گراں قدر رائے
ایک مفید معلومات افزا اور سیرت ساز کتاب جسے تحریک اسلامی کے ہر کارکن کو ضرور پڑھنا چاہیے

قیمت: ۱۲۵ روپے

ناشر کتب: حرا پبلی کیشنز
۲/۱۴ فضل الٰہی مارکیٹ
اردو بازار، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل

اور

حکمرانوں کے خلاف فیصلے

مصنف

سید عبدالسبوح طارق

عہدِ ماضی کے ۲۴ جلیل القدر مسلمان قاضیوں
کے بے لاگ عدل اور
حکمرانوں کے خلاف دلیرانہ فیصلے

اس کتاب کا مطالعہ ہمارے عدلیہ کے جج صاحبان
اور وکلاء صاحبان کے لیے ضروری ہو گا۔

قیمت: ۴۵ روپے

حرا پبلی کیشنز۔ لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہماری دیگر مطبوعات

سرورِ عالم ﷺ کی چند انقلاب آفریں آیتیں	محمد کلیم ارایم
معجزاتِ سرورِ عالم ﷺ	ولید الاعظمی، ترجمہ حافظ محمد ادریس
رسولِ رحمت ﷺ تلواروں کے سائے میں (مجلد)	حافظ محمد ادریس
وفودِ عرب بارگاہِ نبوی ﷺ میں (مجلد)	طالب الہاشمی
سیرت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مجلد)	"
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محافظِ اُمت	ابن عبد الشکور
حضرت علی رضی اللہ عنہ فاتحِ خیبر	علی اصغر چودھری
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن العاص	ابن عبد الشکور
سیرت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	علی اصغر چودھری
سیرت حضرت بلال رضی اللہ عنہ	"
سید الانبیاء ﷺ کے والدِ گرامی	
اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ	ثریا بتول علوی
اسلام میں خواتین کا کردار	عاصم نعمانی
انسانیت کی تلاش	عبدالحمید صدیقی
کارکن کی یادداشتیں (مجلد)	شفیق الاسلام فاروقی
مسلمان قاضیوں کا	[illegible]
جدید فقہی مسائل	
سید مودودی پر عزم	
اسلام جس سے مجھے	
اجتہاد اور اوصافِ مجتہد	مولانا گوہر رحمٰن
عظمت کے مینار	شفیق الاسلام فاروقی

297.648
123 ن
20014-EU-64